یوتھ نمبر

پاک جمہوریت

۲۰۱۹ء

وزارت اطلاعات ونشریات کا جریدہ

جلد: 59 شمارہ: 04 رجسٹرڈ نمبر: CPL 41

PRIME MINISTER'S **Kamyab Jawan**

کامیاب جوان NATIONAL YOUTH DEVELOPMENT PROGRAMME

کامیاب جوان کامیاب پاکستان

احساس

EHSAAS

نئے پاکستان کا غریب دوست پروگرام

احساس انڈرگریجویٹ سکالرشپس

کم آمدنی والے خاندانوں کے ہونہار طلباء کیلئے

احساس سکالرشپس اعلیٰ تعلیم کے فروغ کی جانب ایک تاریخی قدم ہے۔ حکومت پاکستان کا عزم ہے کہ کوئی بھی طالبعلم مالی وسائل کی کمی کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم سے محروم نہ رہے۔

50 فیصد سکالرشپس طالبات کیلئے مختص

درخواست جمع کرانے کیلئے خصوصی افراد کے ساتھ ساتھ دور دراز اور پسماندہ علاقوں سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں کی بھی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

پاکستان کی تاریخ کا انڈرگریجویٹ سکالرشپ کا سب سے بڑا پروگرام

کم از کم **50,000** سکالرشپس سالانہ | **200,000** سکالرشپس 4 سالوں میں

سکالرشپ میں شامل ہے : ■ ٹیوشن فیس ■ وظیفہ

اہلیت کا معیار:

- کسی بھی سرکاری یونیورسٹی میں میرٹ پر داخلہ حاصل کرنے والے طلباء و طالبات
- کم آمدنی والے خاندانوں سے تعلق رکھنے والے طلباء و طالبات

درخواست دینے کا طریقہ کار:

- اہل طلباء و طالبات http://ehsaas.hec.gov.pk پر آن لائن درخواست دے سکتے ہیں
- مکمل درخواست فارم جمع کروانے کے بعد یونیورسٹی کے Financial Aid Office میں بھی جمع کرانے ہوں گے
- درخواست فارم کی رسید HEC یا BISP کو ارسال کریں

درخواست جمع کرانے کی آخری تاریخ:

10 دسمبر 2019

مزید معلومات کیلئے www.hec.gov.pk وزٹ کریں یا کال کریں : 0334 432 4321 / 111-432-432

یوتھ نمبر

پاک جمہوریت

۲۰۱۹ء

وزارت اطلاعات و نشریات کا جریدہ

جلد: 59 شمارہ: 04 رجسٹرڈ نمبر: CPL 41

فہرست

04	**تعلیمی عمل اور کردار سازی**	
	قومی سطح پر کردار سازی کے لئے مربوط حکمت عملی کی ضرورت	ڈاکٹر امجد طفیل
	پاکستان کا تعلیمی نظام اور کردار سازی پر اثر انداز عوامل	پروفیسر راشد مسعود کھیامی
	جمہوری طرز حیات میں تعلیمی عمل ہی بہتر کردار سازی کا ذریعہ ہے	ڈاکٹر شاہدہ دلاور
	تعلیمی عمل اور کردار سازی..... اہم عوامل	تنویر بدر
18	**طلباء کا معاشرے کی ترقی میں کردار**	
	ہمارا معاشرہ اور طلباء کا کردار	ڈاکٹر انیل سیموئل
20	**طلباء اور اساتذہ پر عائد ذمہ داریاں**	
	اساتذہ اور والدین کے لیے چند گزارشات	عبیرہ احمد
	طلباء اور معاشرتی اداروں کی ذمہ داری	سید شوال رضا
28	**اخبارات اور ٹی وی معلومات کا ذریعہ**	
	پاکستان، جدید تاثر پذیر نسل کی ذمہ داریاں	الطاف احمد خان
32	**سوشل میڈیا اور نوجوانوں کا اخلاقی کردار**	
	سوشل میڈیا کی افادیت اور اس کا مناسب استعمال	ڈاکٹر شاہدہ دلاور
	مصنوعی ذہانت اور کمپیوٹر کی شاعری	ڈاکٹر غافر شہزاد
39	**آج کے نوجوان کو درپیش مسائل تجاویز اور حل**	
	نوجوانوں کے مسائل، وجوہات اور قابل عمل اقدامات	ثمینہ نورین
	انفرادی اجتماعی معاشی مسائل اور ان کا حل	ڈاکٹر جاوید اقبال ندیم
	نوجوانوں کے مسائل کے لئے ترجیحات کا تعین	حمزہ فیاض
49	**تکنیکی اور فنی تعلیم کی ترویج**	
	دور جدید میں تکنیکی اور فنی تعلیم کی اہمیت	ڈاکٹر شاہد اشرف
	ثانوی سطح پر فنی تعلیم کا فروغ	تنویر زاہد
55	**وزارت اطلاعات کا نوجوانوں کی فلاح کے لئے کردار**	
	وزارت اطلاعات کا نوجوانوں کی حوصلہ افزائی میں معاون کردار	محمد زاہد رفعت
59	**سروے**	
	وزارت اطلاعات و نشریات کا نوجوانوں کو فعال بنانے کے لئے کردار	اعتبار احمد جاوڑ

نگران اعلیٰ: شاہدہ شاہد

نگران: محمد طاہر حسن

مجلس ادارت: شبیہہ عباس

رابعہ یوسف

کنزہ اشرف

میگزین ڈیزائن: شہزاد انور

پروف ریڈنگ: قاضی افضل

mnlahore@yahoo.com :ای میل

042-35201008

042-35223278 :انتظامیہ

ڈائریکٹوریٹ آف الیکٹرانک میڈیا اینڈ پبلی کیشنز

291۔اے ایم اے جوہر ٹاؤن لاہور

تعلیمی عمل اور کردار سازی

قومی سطح پر کردار سازی کے لئے مربوط حکمتِ عملی کی ضرورت

ڈاکٹر امجد طفیل

تعلیمی عمل کیا ہے اس کی وضاحت بہت سے ماہرین تعلیم نے اپنے اپنے انداز میں کی ہے۔ کبھی تعلیم سے مراد یہ لیا گیا ہے کہ بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھایا جائے۔ کبھی اس سے مراد بچے کے ذہن میں نئے خیالات ڈالنا لیا گیا ہے۔ مگر ان سب سے جامع انداز میں تعلیمی عمل کی وضاحت بعض ماہرین تعلیم ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ ''تعلیم سے مراد وہ عمل ہے جس کے ذریعے فرد کے کردار میں مطلوبہ تبدیلی پیدا کی جاتی ہے۔'' تعلیم سے مراد ہی کردار سازی لیا جاتا ہے اور دنیا کے ہر معاشرے اور ملک میں نصاب تعلیم اس طرح ترتیب دیا جاتا ہے کہ تعلیم کا عمل اُس ملک کے ثقافتی اور نظریاتی دائرہ کار کے اندر رہتے ہوئے فرد کی نشوونما کرے۔

ہماری ثقافت اور عملی روایت میں بچے کی نشوونما کے لیے تعلیم و تربیت کے الفاظ ایک ساتھ استعمال کیے جاتے تھے۔ یعنی یہ تصور کیا جاتا تھا کہ بچے کو تعلیم دینے کا مقصد اُسے چند کتابیں پڑھا دینا یا اُس کے ذہن میں چند خیالات ڈال دینا نہیں ہے بلکہ اُس کی تربیت اس انداز میں کرنا ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو پروان چڑھا سکے اور معاشرے کے لیے ایک مفید شہری ثابت ہو۔ یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ ہمارے ہاں رفتہ رفتہ جو بچوں کو زیادہ سے زیادہ نمبر حاصل کرنے کی دوڑ میں جھونک دیا گیا ہے وہ سراسر تعلیم کے بنیادی مقصد کے اُلٹ ہے اور اس سے ایسے نوجوان پیدا ہو رہے ہیں جن کے ہاتھ میں پکڑی ڈگریوں پر نمبر تو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اللہ نے سارے نابغے پاکستان میں پیدا کر دیئے ہیں مگر جب یہی بچے عملی زندگی میں آتے ہیں تو ان کی کارکردگی اوسط ذہنی صلاحیت رکھنے والے لوگوں سے زیادہ نہیں ہوتی۔

اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ انسانی دماغ کیا ہے اور اُس کے سوچنے سمجھنے کا طریقہ کار کیا ہے۔ انسانی دماغ اربوں خلیات سے مل کر بنتا ہے جنہیں نیوران کہا جاتا ہے۔ انسانی حواس بیرون کے بارے میں معلومات ان نیوران کی مدد سے دماغ تک لے جاتا ہیں۔ وہاں ان کو مختلف اعمال سے گزارا جاتا ہے اور پھر انسانی دماغ حواس سے حاصل ہونے والی معلومات کو بامعنی بناتا ہے اس عمل کو ادراک کا نام دیا جاتا ہے۔ ادراک کے ساتھ ایک دوسرا عمل بھی بہت اہم ہے جسے آموزش (لرننگ) کہا جاتا ہے۔ آموزش سے مراد سیکھنے کا عمل ہے۔ انسان اپنی ساری زندگی میں سیکھتا ہے۔ اپنے سیکھے ہوئے کو یاد رکھتا ہے اور بوقت ضرورت اُسے کام میں لاتا ہے۔ آموزش کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ ایسا عمل جس کے دوران سیکھنے کے نتیجے میں ہمارے کردار میں قدرے مستقل تبدیلی پیدا ہو۔ یعنی آموزش کے نتیجے میں جو تبدیلی انسانی کردار میں پیدا ہوتی ہے وہ لحاظی نہیں ہوتی، لیکن ایسا بھی نہیں کہ وہ ہمیشہ کے لیے انسانی کردار کا حصہ بن جائے یعنی کسی سیکھے ہوئے کردار کو ہم نہ صرف تبدیل کر سکتے ہیں بلکہ اُس کی جگہ نیا کردار بھی سیکھ سکتے ہیں۔ آموزش کے نتیجے میں انسانی کردار تشکیل پاتا ہے اور انسانی کردار میں نئی جہات پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں ضروری ہے کہ ہم آموزش اور تعلیم کے اعمال کے درمیان اشتراکات اور اختلافات کی وضاحت کر دیں۔ آموزش جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے انسانی دماغ یا ذہن کے سیکھنے کی صلاحیت ہے جو پیدائش سے لے کر موت تک جاری رہتا ہے۔ اس میں بنیادی کردار انسان کا ماحول ادا کرتا ہے۔ دماغ اور ماحول کے تال میل سے فرد میں کرداری سانچے بنتے ہیں۔ اس کی سب سے نمایاں

مثال زبان کا سیکھنا ہے۔ آپ نے اس بات کا مشاہدہ کیا ہوگا کہ بچہ جس خاندان میں پیدا ہوتا ہے وہ اس میں بولی جانے والی زبان خود بخود بولنے لگتا ہے اور اکثر چھوٹے بچے اپنی زبان سے ایسے ایسے لفظ ادا کرتے ہیں کہ سننے والے حیران رہ جاتے ہیں۔ یہاں یہ بات آپ کے دھیان میں ہے کہ انسانی ذہن الفاظ میں نہیں تخلیق ہوں (امیج) میں سوچتا ہے۔ یعنی جب بچہ کسی بھی لفظ کو بولنے کے قابل نہیں ہوتا تو اُس کا ذہن اُس وقت بھی سوچ بچار کر رہا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انسانی ذہن بہت ابتدا ہی سے چہرے کے تاثرات اور

آپ کے اردگرد جو چھوٹے بچے ہیں وہ کچھ نہیں سمجھتے اور نادان ہیں۔

بچے کے دماغ میں ذہنی اور عقلی سانچے قدرے تاخیر سے بننا شروع ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ سے کہ بچہ جب اس دنیا میں آتا ہے تو اُس کے دماغ کا صرف ۲۵ فیصد حصہ بنا ہوتا ہے۔ اس حصے کا تعلق اُن اعمال اور افعال سے ہوتا ہے جس کا تعلق انسانی وجود کی بقا سے ہے۔ دماغ کا وہ حصہ جسے بنا دماغ یا آسانی دماغ کہا جاتا ہے اور جس کی وجہ سے انسان باقی مخلوقات سے اشرف قرار پاتا ہے اُس کی تشکیل اس دنیا میں آنے کے بعد ہوتی ہے۔ اس ۷۵ فیصد

جذبات کو سمجھنے اور اُن کے مطابق ردِعمل ظاہر کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ آپ اس بات کو ایک سادہ سے تجربے سے سیکھ سکتے ہیں۔ چند لمحوں کو بچے کو تھوڑی دیر تک غصے سے دیکھیں وہ رونا شروع کر دے گا۔ اب تھوڑا وقفہ دیں اور اسی بچے کو دیکھ کر کچھ دیر مسکرائیں، بچے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہو جائے گی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بہت چھوٹے بچے بھی انسانی محسوسات اور جذبات کو سمجھنے اور اُن کے مطابق اپنے ردِعمل کا اظہار کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ مت سمجھیے کہ

حصے میں عقل اور وقوفی اعمال سے متعلقہ دماغی حصے شامل ہوتے ہیں۔ اس سے ہمیں یہ بھی سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ بعض اوقات اچھے بھلے سمجھدار انسان بھی اس جذباتی انداز میں اپنے ردِعمل کا اظہار کیوں کرتے ہیں کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہیں۔

انسانی جذبات و احساسات کے اظہار اور وقوفی اعمال دونوں میں انسانی دماغ بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ مثلاً تجزیہ، فکر، مسائل کے حل، تخلیق

اور ندرت جیسے افعال سرانجام دینے میں انسانی ذہن کا کردار بنیادی نوعیت کا ہے۔ اس کے ساتھ نئی باتیں سیکھنے اور انہیں حافظے میں محفوظ رکھنے کا فریضہ بھی انسانی ذہن ہی انجام دیتا ہے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان میں سیکھنے سے بہت پہلے اور کرداری سانچے بننے کا عمل سکول میں باقاعدہ داخلہ لینے اور کتاب پڑھنا سیکھنے سے بہت پہلے شروع ہو جاتا ہے۔ اس ساری تفصیل میں جانے کا مقصد یہ تھا کہ اس بات کی تشکیل کیسے ہوتی ہے۔ اب ہم اس طرف آتے ہیں کہ تعلیم کا باقاعدہ عمل انسان میں کردار سازی کا عمل کیسے سرانجام دیتا ہے۔

اوپر ہم نے آموزش اور تعلیم کے اعمال کی مختصر وضاحت کر دی ہے۔ آموزش ساری زندگی کی ابتداء میں شروع ہوتی ہے اور موت تک چلتی ہے۔ آموزش میں انسان اپنے ماحول سے بامعنی تال میل پیدا کرتا ہے۔ اپنے ماحول کی فرداہات کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی زندگی کو خوبصورت بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ جبکہ تعلیم ایک ایسا عمل ہے جس میں باقاعدہ سوچ بچار کے بعد کسی ادارے میں ایک طے شدہ نصاب کے ساتھ بچوں کو سکھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ آموزش اور تعلیم ان دونوں کے نتیجے میں انسانی کردار میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ انسان نئی صلاحیتیں سیکھتا ہے اور اپنے آپ کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

اب ہم آتے ہیں عنوان کے دوسرے حصے کردار سازی کی طرف جیسا کہ اوپر وضاحت کی گئی ہے۔ انسانی کردار کی تشکیل اور ترمیم کا عمل تو ہمیشہ جاری و ساری رہتا ہے۔ اس حوالے سے انسان چاہے شعوری کوشش کرے یا نہ کرے۔ انسانی کردار اپنے ماحول اور اپنی ذات کے تقاضوں کے مطابق بدلتا چلا جاتا ہے۔ جب ہم کردار سازی کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ انسانی کردار کو ایک مثالی نمونے کے مطابق ڈھالا جائے۔ ہر معاشرے اور ہر ملک میں مثالی انسان کا نمونہ مختلف ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے لیکن ایسا نہیں کہ کسی ملک کا نصاب یا تعلیمی نظام انسان کے مثالی نمونے کے بغیر تشکیل دیا گیا ہو۔ اس لیے ہر ملک میں رہنے والے لوگوں میں جو کرداری سانچے مختلف نظر آتے ہیں اُس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ملک کا نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم مختلف ہوتا ہے۔

انسان کی کردار سازی کا عمل گھر سے شروع ہوتا ہے۔ گھر کا ماحول اور وہاں موجود افراد کے کردار کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ آج کل ہمارے معاشرے میں عام ہے کہ مائیں بچوں کو ٹیلی ویژن کے ساتھ بٹھا کر گھر کے کام کاج میں مصروف ہو جاتی ہیں۔ بچے ٹیلی ویژن پر جو کچھ دیکھتے اور سنتے ہیں وہ اُن کے وقوفی نقشے میں محفوظ ہو جاتا ہے اور یہ نقش اس قدر گہرا ہوتا ہے کہ اس کے اندر ردّوبدل بہت مشکل سے ہوتا ہے۔ ہمارے ٹی وی چینلز جو کارٹون پروگرام چلاتے ہیں وہ یورپی ممالک، امریکہ، جاپان یا بھارت کے تیار کردہ ہیں۔ اس لیے بچے رفتہ رفتہ اُن پروگرام میں پیش کئے جانے والے تصورات کو قبول کرتے چلے جاتے ہیں اور ہر بار پہلے سے زیادہ ہمارے اندر اُترتے چلے جاتے ہیں اس سے زیادہ اثرات بچے اور نوعمر لڑکے اور لڑکیاں قبول کرتے ہیں۔ ان کارٹونوں، اشتہارات اور ٹی وی پروگراموں میں پیش کئے جانے والے کردار ہمارے بچوں کے لیے مثالی نمونہ بن جاتے ہیں جس کے مطابق ہمارے بچوں اور نوعمر لڑکے لڑکیوں کا کردار ڈھلتا جا رہا ہے۔

جہاں تک تعلیمی عمل میں کردار سازی کا تعلق ہے تو ہمارے ہاں ایسی صورتِ حال پیدا ہو چکی ہے جس کا سامنا دنیا کے بہت کم ممالک کو ہوا ہے۔ ہمارے ملک میں تین چار نظامِ تعلیم بیک وقت چل رہے ہیں۔ ایک نظامِ تعلیم میں پڑھنے والے بچے نہ صرف یہ کہ دوسرے تعلیم نظام میں پڑھنے والے بچوں سے مختلف ہیں بلکہ ایک دوسرے کی زبان، اصطلاحات اور طرزِ فکر کو سمجھنے سے بھی قاصد ہیں۔ ہم اپنے معاشرے میں تین چار مختلف کرداروں سانچوں کی بیک وقت تشکیل کر رہے ہیں۔

اس سے نہ صرف ہمارے فرد خصوصاً نوجوان ذہنی مسائل کا شکار ہو رہا ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ خاندان میں بزرگوں اور نوجوانوں کے درمیان ذہنی اور فکری فاصلے بڑھتے جا رہے ہیں۔ معاشرے میں مختلف الخیال لوگوں کے ایسے گروہ پروان چڑھ رہے ہیں جن کے درمیان ذہنی اور فکری فاصلے اتنے زیادہ ہوتے جا رہے ہیں کہ اُن کے درمیان کسی بامعنی مکالمے کی

صورت احوال بھی مخدوش ہوتی چلی جارہی ہے۔

ایسے میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہم اس صورتِ حال میں کیا کر سکتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں اس بات کا فیصلہ کرنا چاہیے کہ ہم کس طرح کا معاشرہ اور انسان بنانا چاہتے ہیں۔ اس حوالے سے ۱۹۷۳ء میں منظور ہونے والا آئین پاکستان ہماری رہنمائی کرسکتا ہے اور آئین میں درج فریم ورک کے

مطابق ہم اپنے سامنے مثالی انسانی نمونہ وضع کر سکتے ہیں۔ اس سے ہمیں اپنے نصابِ تعلیم کے بنیادی اُصول اور خدوخال متعین کرنے میں آسانی ہوگی۔

ملک میں یکساں نظامِ تعلیم رائج کیا جائے۔ اس کے لیے ملک میں ایک مکالمے کا آغاز کیا جائے۔ معاشرے کے مختلف طبقوں۔ ماہرین اور دانشوروں میں ایک وسیع البنیادی ضروریات کے لیے ایک مفصل اور جامع حکمتِ عملی بنائی جائے۔ تعلیمی اداروں کا ماحول اور سہولیات میں اتنا فرق نہیں ہونا چاہیے کہ ایک طرف تو سجے سجائے ائرکنڈیشنڈ کمرے ہوں اور دوسری طرف بیٹھنے کے لیے چٹائی بھی دستیاب نہ ہو۔

اپنے نوجوان کی کردار سازی کے لیے ہمیں پرنٹ میڈیا و سوشل میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے لیے ایک مربوط لائحہ عمل مندرجہ بالا سفارشات کی روشنی میں تیار کرنا ہوگا۔ ہمیں اپنی ثقافت اور مثالی کردار نمونے کو سامنے رکھ کر کارٹون، اشہارات اور ٹی وی پروگرامز کی تشکیل کو یقینی بنانا ہوگا کیونکہ موجودہ عہد میں یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ کردار سازی کا عمل صرف تعلیم کے ذریعے تعلیمی اداروں میں تشکیل پائے گا۔ کردار سازی کو ایک ایسے مربوط عمل کے طور پر دیکھنا ہوگا جس کو خاندان، تعلیمی ادارے اور میڈیا پر فروغ دی جانے والی اقدار میں صرف یا تضاد ہو ورنہ کہ ہمارے ہاں سے ایک ذہنی سطح پر کنفیوژ، بے عمل اور اپنے جذبات پر قابو پا کر مہذب طرزِ عمل اختیار نہ کرنے والی نسلیں پروان چڑھیں گی جیسا کہ ہمارے ہاں ہو رہا ہے۔ ہمیں قومی سطح پر کردار سازی کے لیے ایک مربوط حکمتِ عملی اپنانا ہوگا۔

تعلیمی عمل اور کردار سازی

پاکستان کا تعلیمی نظام اور کردار سازی پر اثر انداز عوامل

پروفیسر راشد مسعود کلیامی

کسی بھی قوم اور ملت کے مستقبل کے روشن ہونے اور کامیابی کا انحصار اس کے تعلیمی معیار اور نئی نسل کی ہمہ گیر تربیت پر ہے۔ اگر ان دونوں پہلوؤں کو ساتھ ساتھ اہمیت دی جائے تو پھر ہی اچھے نتائج کی توقع رکھی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر ہم صرف تعلیم کو ہی اہم سمجھتے رہیں تو تربیتی گوشے بے توجہی کا شکار رہیں گے اور اس کے نتیجہ میں قوموں کے زوال کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

تعلیم اور تربیت کی ابتدائی ذمہ داری سب سے پہلے والدین اور پھر اداروں پر آتی ہے اس لئے کہ والدین ہی وہ شخصیات ہوتی ہیں جن کے ساتھ بچوں کا وقت زیادہ سے زیادہ گزرتا ہے۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اولاد اپنے والدین کے نقش قدم پر چلتی ہے اور والدین کی عادات، خصائل اور اندازِ گفتگو، اخلاق، کردار سبھی بچے کی زندگی پر منقش نظر آتے ہیں۔

بچے کی ابتدائی زندگی کے لمحات انتہائی اہم ہوتے ہیں اور وہی وقت بچے کی شخصیت کی تعمیر کا ہوتا ہے۔ یہ ایسا مرحلہ ہوتا ہے جسے ہم تعمیر کا مرحلہ کہتے ہیں۔

اگر والدین خود با اخلاق، صاحبِ کردار اور تعلیم یافتہ ہوں گے تو ان کی اولاد یقیناً اپنے والدین کی ان خصوصیات سے بہرہ مند نظر آئے گی اور اِلا ماشآ اللہ ان کے بچے ملک وملت کے لئے ایک اچھی بنیاد بنیں گے۔ اور اگر والدین غیر تعلیم یافتہ، بے کردار اور اخلاقیات سے عاری ہوں تو ان کی اولاد بھی ان کے غیر معیاری طرزِ زندگی کے آئینہ دار ہوگی۔

جیسا کہ نبی مکرمؐ نے فرمایا "کہ ہر بچہ فطرت مسلمہ پر پیدا ہوتا ہے۔ پس اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔" اس بات سے واضح ہے کہ بچوں کے تعلیم و تربیت کی پہلی ذمہ داری والدین پر ہے اور پھر ہم معاشرے میں دیکھتے ہیں کہ جیسے والدین کی عادات ہوں ویسی اولاد کی عادت ہوتی ہیں۔

اس کے بعد ذمہ داری تعلیمی اداروں پر آتی ہے کہ وہ کس طرح کی تعلیم معاشرے میں عام کر رہے ہیں اور ان کا مقصود و مدعا کیسا معاشرہ تشکیل دینا ہے۔ کیا پاکستان میں ایسے نظام کے حامل اداروں کو فروغ دیا جا رہا ہے جو کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کو بھی ویسی ہی اہمیت دے رہے ہیں یا صرف تعلیم اور پھر وہ تعلیم جو نوجوانوں کے ہاتھوں میں ڈگری دے کر بے کردار بے صورت اور بے عمل نسل پیدا کر رہے ہیں۔ جو ملک وملت کے لئے سوائے بوجھ کے اور کچھ نہیں۔

تعلیم کا مقصد اوّلین تو ایک ہمہ پہلو کامل انسان کی شخصیت کی تعمیر ہوتا ہے۔ جو نہ صرف اپنے معاشرے اور ملک وملت کے لئے فائدہ مند ہو بلکہ پوری انسانیت کی تہذیب و تمدن کے فروغ میں اپنا کردار ادا کر سکے۔

جس کا کردار و عمل بھی دوسروں کے لئے نشانِ راہ بنے اور جس کی تعلیم

کے نور سے معاشرہ منور ہو سکے جیسے کہ علامہ اقبال نے اپنی نظم میں اُمت مسلمہ اور اپنے ملک وملت اور مسلم معاشرے کے بچے کو مثل شمع نور بکھیرنے والا جو غریبوں، ناداروں کے لئے دست و بازو بنے اور ضعیفوں کا غم خوار اور مددگار ہو۔ جو نہ صرف اپنے ملک وملت کے مقدر کا سکندر بنے بلکہ سارے عالم کے لئے نور اور اُجالا بنے۔ ایسے افراد اور شخصیات کہاں سے آئیں گی؟

اس کے لئے ہمیں ہر سطح پر گھر سے مکتب، مکتب سے مدرسہ، مدرسہ سے

کالج اور کالج سے جامعات پر توجہ دینی ہوگی۔ اور اپنے اندر پائی جانے والی خرابیوں کو ختم کرنا ہوگا۔

والدین کی حیثیت سے بھی دیکھنا ہوگا کہ اللہ نے ہمیں اولاد کی نعمت کی قدر اور شکرانہ کس طرح ادا کیا۔ بچے کی پرورش کے ساتھ کیا ہم نے اسے تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ کیا کہ وہ ہمارے لئے ایک مفید انسان بن سکے؟ اس طرح تعلیمی اداروں کو بھی (نظر غائر) دیکھنا ہوگا کہ کیا ہماری (پروڈکشن) اس معیار کے مطابق ہے کہ جسے ہم دنیا کے کسی بھی ترقی یافتہ مہذب ملک کے اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کے مقابل لاسکیں؟ جبکہ اس بات کے ذکر کی چنداں ضرورت نہیں رہی کہ اب پوری دنیا ایک گلوبل ولیج کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ اور جب ہم اپنی زندگی کے باقی معیارات کو ان مہذب قوموں کے معیارات کی مطابقت میں لا رہے ہیں کہ ہمارا لباس، ہمارا رہنا، ہماری ضروریات سبھی ان کے مطابق ہوں جو کسی بھی مہذب اور ترقی یافتہ معاشرے کا حصہ ہیں۔ تو کیا ہم نے اس جانب بھی سوچا کہ ہمارے تعلیمی

معیارات ہمارے اخلاق و کردار اور ہمارے اندر پائی جانے والی عادات بھی تو ان معیارات کے مطابق ہونی چاہیں جو مہذب دنیا کا خاصہ بن چکی ہیں۔ جھوٹ بولنا مہذب معاشروں میں ایک انہونی اور ناقابل یقین عمل تصور کیا جاتا ہے۔ دھوکہ دینا انتہائی قابل نفرت عمل شمار ہوتا ہے۔ سستی، کاہلی، بے مقصد حیات، غیر ذمہ دارانہ رویہ، لاپرواہی، ملک وملت کے ساتھ غداری اور بے وفائی، حق تلفی، صفائی سے گریز، محنت سے کنارہ کشی، بداخلاقی وغیرہ یہ سب وہ عادات و خصائل ہیں جو مہذب معاشروں کا طرۂ امتیاز ہیں۔ بلکہ اگر یوں کہا

جائے کہ ان مہذب معاشروں میں ان عادات قبیحہ کا تصوّر کرنا بھی محال ہے تو غلط نہ ہوگا۔

جبکہ مسلم چاہے وہ دنیا کے کسی بھی گوشے میں رہتا ہو وہ کسی بھی ملک کا حصہ ہو۔ اِسے ان سب خصائل اور اخلاق و کردار سے مزین کرنے کا نہ صرف حکم ہے بلکہ قرآن وسنت، نبی رحمتؐ اور صحابہ و اہلِ بیتؓ کی زندگیاں ان کا عملی ثبوت نظر آتی ہیں۔ مگر شومئی قسمت آج سب خوبیاں مہذب دنیا کا جزو لاینفک بن چکیں اور ہم ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظر فردا ہیں۔ علامہ ہماری اس کمزوری کو یوں اجاگر کرتے ہیں۔

؎ زباں سے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

پاکستان اللہ کی نعمتِ خاص اور ارضِ مقدّس ہے ہمیں اس کے نام کے مطابق اپنے اندر پاکیزہ کردار عمل، تعلیم و تربیت، اخلاق و عمل سے ثابت کرنا ہے کہ ہم ہی اسلام کی ان پاکیزہ تعلیمات کے سچے امین ہیں اور ہم ہی خیر اُمت کے عظیم منصب پر فائز ہیں۔

اس لئے ہر فرد کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ والدین، اساتذہ، تعلیمی ادارے سب کو مل کر نئی نسل کی اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ساتھ اعلیٰ کردار و عمل کی طرف رہنمائی کرنی ہوگی۔ اور اپنے تعلیمی نظام کو با مقصد بنانا ہوگا۔ جبھی ہم ترقی یافتہ قوموں کا مقابلہ کر سکیں گے۔

تعلیمی عمل اور کردار سازی

جمہوری طرزِ حیات میں تعلیمی عمل ہی بہتر کردار سازی کا ذریعہ ہے

ڈاکٹر شاہدہ دلاور

کہا جاتا ہے کہ جمہوریت کی طاقت اپنی وسعت، گہرائی اور توانائی کے بل بوتے پر زندہ و پائندہ ہے۔ اس کی جڑوں کی پہلی جنگ عظیم کے اثرات نے حرارت دانی کی تو دوسری اور تیسری عالمی جنگوں نے اس کو خوب ثمر بار کیا۔ اس کے خلاف مضبوط ہو رہنے والے تابوت میں آخری کیل روسی قوت کے پاش پاش ہونے نے ٹھونک دیا۔ پاکستان میں بھی ہوش ربا لوگ اس کے ثمرات سے بخوبی آگاہ ہیں مگر اس آگہی کے باوجود منفی طاقتوں سے جمہوریت جیت نہیں سکی۔ ترقی یافتہ ممالک نے جمہوریت کو پروان چڑھانے کی ذمہ داری قبول کی۔ جمہوری نظام میں عوامی فلاح و بہبود کے لیے کسان، مزدور اور عوام کو اپنے حق یا دوسروں کی مخالفت میں سوالات اٹھانے کی اجازت ہوتی ہے مگر غیر ترقی یافتہ علاقوں میں لایعنی خرافات اس عمل سے بغاوت کرتی ہیں اور جمہوری طرز فکر کو پنپنے نہیں دیتیں۔ جمہوری طرز عمل اور فکر و شعور بیدار رکھنے کے لیے لازمی امر ہے کہ نسل نو کو علم اور تربیت کے زیور سے آراستہ کیا جائے۔ جہانِ رنگ و بو میں تعلیم ہی وہ واحد طاقت ہے جس کے ذریعے ایک نسل اپنا سرمایہ، حیات، اپنی تاریخ، اپنے احساسات، کلچر، تہذیب، وراثت اور تجربات اگلی نسل کو فراہم کرتی ہے، سو یہ اہم فریضہ طلباء کے توسط سے ہی انجام پذیر ہو سکتا ہے۔ اس خزانے کو سمیٹنے والے طالبعلم ہی روحانی و مادی وسائل سے آشنا و لطف اندوز ہوتے ہیں۔ تعلیمی و تربیتی عمل عام طور پر ماں کی کوکھ سے ہی شروع ہو جاتا ہے مگر انسانی کردار سازی کے لیے اس عمل کو مزید پروان تو وقت کے دھارے اور مادر علمی جیسے ادارے ہی چڑھاتے ہیں۔ کردار سازی میں دینی و دنیاوی طرز حیات ہی ایک فرد کو راہ نجات عطا فرماتا ہے۔ اخلاقی و انسانی قدریں دانشوروں اور مفکرین کے معتدل افکار معاشرے کو پستی و تخریب سے نکال کر اوجِ کمال تک لے جاتے ہیں۔ تعلیمی عمل بصیرت و شعور کی روشنائی ہے جو آدم کو تیسری آنکھ فراہم کرتی ہے۔ اقوامِ عالم میں کامیابی کا سفر طے کرنے والی اور سہولت کے ساتھ مشکلات عبور کرنے والی وہی ملت ہوتی ہے جن کے ہاں شخصی ترقی و سچائی کا درس دیا جاتا ہے۔ تعلیمی عمل سے ہی افراد کے دماغ سے حیوانی عادات و عزائم نکال کر اسے معاشرتی فلاح و بہبود کی تہذیب کا تاج پہنایا جاتا ہے۔ اس طرح ایک دوسرے سے دوری ختم کر کے پیار، محبت اور رواداری کا سبق دیا جاتا ہے۔ اہل مغرب کی ساری باتوں سے آپ اتفاق نہ بھی کریں مگر اس بات سے مفر نہیں کر سکتے کہ انہوں نے تعلیمی عمل کی مدد سے ہی اپنے شہریوں کی کردار سازی کو ممکن بنایا اور دیکھتے ہی دیکھتے تیسری دنیا سے بہت آگے نکل گئے۔ ہم ان کا منہ دیکھتے رہ گئے اور جب بن نہ پڑی تو بہت سے معاملات میں کیڑے نکالنے لگے۔ اب وقت کا تقاضا یہی ہے کہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے پر اپنی انرجی ضائع کرنے کی بجائے ملکِ خداداد میں زیادہ سے زیادہ تعلیمی ذرائع مہیا کیے جائیں۔ فنون لطیفہ سے لے کر سائنسی، فکری، دینی، عمرانی اور سماجیاتی علوم کے فروغ کے لیے مزید جدوجہد کی جائے۔ علم کوئی بھی قابل اعتراض نہیں ہوتا بلکہ اس کے استعمال میں قابل اعتراض ہونے کی گنجائش نکل سکتی ہے جس کا واحد حل اچھی تعلیم و تربیت ہے۔

کچھ عوامل اگرچہ ہماری جبلی یا وجودی ضرورت کے دائرے میں نہیں آتے مگر ان کی افادیت سے نظریں نہیں چرائی جا سکتیں مثلاً فنونِ لطیفہ میں

سے ادبی صنف شاعری کو ہی دیکھ لیں جو وجدوذوق کا صوتی آرٹ ہے اور جمالیاتی شعور کے موزوں اظہار کی بسیط شکل ہے۔ شعر کہنے اور سننے والے بخوبی آگاہ ہیں کہ شعر کی تعلیم شعور ولاشعور کی حدوں سے آگے کی تفہیم عطا کرتی ہے۔ جو زمان ومکان سے باہر کی دنیاؤں کی سیر کرانے اور جمالیاتی اساطیر سے لے کر سماجی بوقلمونی کے سارے ذائقوں سے متعارف کراتی ہے۔ یہ محسوساتی ادراک کے وجودیاتی شعور کو جلا بخشتی ہے۔ رشتوں کو توڑنے کی بجائے مزید پختہ کرتی ہے مندرجہ ذیل چند اشعار اس آفاقی ادراک کی گواہی کے لیے کافی ہیں:

بات بے بات کوئی بات بنا لی جائے
اس سے صورت کوئی ملنے کی نکالی جائے

اس مطلع میں انسانوں سے دوری کو ختم کر کے قریب سے قریب لانے کی بات کی گئی ہے۔ انسان کو جن روزمرہ تلخ حقائق سے واسطہ پڑتا ہے، شاعری کس خوش اسلوبی سے تربیت بھی کرتی ہے اور مشکلات سے نکلنے کے در بھی وا کرتی ہے:

بوجھ کاندھوں پہ بڑھا جاتا ہے جس کے دم سے
عمر کی گٹھڑی سے وہ شے ہی چرا لی جائے

شاعری نہ صرف انسان کو زندہ رہنے کا درس دیتی ہے بلکہ دوسروں کو قرینہ حیات بھی عطا کرتی ہے:

ٹوٹ جائے نہ کہیں پاؤں کے نیچے آ کر
راستے میں جو ملے چیز اُٹھا لی جائے

کہا جاتا ہے کہ کتھارسس کرنے سے غم غلط ہو جاتے ہیں اور لکھنے یا دوستوں سے اپنے مسائل پر تمحیص بہترین سرگرمی ہے۔ انسانی نظم وضبط کی بہترین مثال اس شعر میں دیکھئے:

ہم نے محفل میں ہنسی میں جسے ملبوس کیا
اس اداسی کی کہانی ہی سنا لی جائے

حیاتیاتی ٹھہراؤ انسانی رویوں میں یکسانیت اور کائناتی جمود کو جنم دیتا

ہے اس کے وجود کو ختم کرنے کے لیے بھی تعلیمی عمل کو بڑھانا ضروری ہوتا ہے۔

معاصر کردار سازی کے رویّوں کو صحت مند بنانے کے لیے تحقیق و تفکر کی اہمیت کو بھی اجاگر کرنا ہوگا۔ خود اللہ تعالیٰ انسان کو تحقیق کی ترغیب دیتے ہوئے سورہ الحجرات میں کہتا ہے:

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس

کوئی خبر لائے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کوئی نقصان پہنچا بیٹھو کسی قوم کو بے علمی (و نادانی) کی بنا پر تو پھر اس کے نتیجے میں تمہیں خود اپنے کیے پر شرمندگی اُٹھانی پڑے''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ ابوداؤد میں روایت کرتے ہیں:

''ہم سفر کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک شخص کو پتھر لگا۔ جس سے اس کا سر پھٹ گیا، اس کو احتلام ہوا۔ اس نے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا تم مجھے تیمم کی اجازت دیتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں ہم تیرے لیے تیمم کی کوئی گنجائش نہیں پاتے کیوں کہ تجھے پانی کے حصول پر قدرت حاصل ہے لہٰذا اس نے غسل کیا اور مر گیا۔ جب ہم رسول پاکؐ کے پاس آئے تو آپؐ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا: لوگوں نے اس کو ناحق مار ڈالا۔ اللہ ان کو ہلاک کرے۔ جب ان کو مسئلہ معلوم نہ تھا تو ان کو پوچھ لینا چاہیے تھا۔ کیوں کہ نہ جاننے کا علاج معلوم کر لینا ہے۔ اس شخص کے لیے کافی تھا کہ وہ تیمم کر لیتا اور اپنے زخم پر کپڑا باندھ کر اس پر مسح کر لیتا اور باقی سارا بدن دھو ڈالتا۔''

سماجی ہم آہنگی اور مذہبی رواداری بندے کو انسانیت کا شعور فراہم کرتے ہیں۔ قوموں کی ترقی میں طلبا، یا علم کے متلاشی نوجوان آئندہ کے لیے تعمیری سرمایہ ہوتے ہیں۔ جو طلباء تقلید کی بجائے تحقیق پر اپنا ذہن اور وقت صرف کرتے ہیں وہی مسائل کے حل اور نتائج تک رسائی حاصل کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ پڑھنے والوں اور ان پڑھ کی تفریق اس بات کے مصداق ہے کہ ایک عمل کو راہِ جُہد سمجھتا ہے اور موخر الذکر بد عملی کے پیچھے بھاگتا ہے۔

تعلیمی عمل اور کردار سازی.....اہم عوامل

محمد ظہیر بدر

کردار سازی میں سب سے اہم حصہ تعلیم کا ہے۔ عام طور پر جب طالب علم کا ذکر ہوتا ہے تو دھیان نوجوان نسل کی طرف چلا جاتا ہے۔ حالانکہ علم ایک ایسا دریا ہے کہ جس کے ہر قطرے میں دریا کی گہرائی ہے۔ مجھے یہاں مظفر وارثی کا ایک شعر یاد آرہا ہے جو اسی طرز احساس کا حامل ہے جس کا ذکر میں کرنا چاہ رہا ہوں۔

تشنگی جم گئی پتھر کی طرح ہونٹوں پر
ڈوب کر بھی تیرے دریا سے میں پیاسا نکلا

بالکل ایسا ہی وقوعہ علم کے ساتھ ہے۔ چنانچہ انسان اس دریا کا شناور تو ہوسکتا ہے فاتح نہیں۔ غواص اس دریا کی گہرائی سے گہر ہائے تابدار تو لاسکتا ہے مگر یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس دریا میں کوئی اور گوہر باقی نہیں رہا۔ بلکہ وہ جب جب اس دریا میں غوطہ لگاتا ہے نئے گوہر کے ساتھ برآمد ہوتا ہے۔ یہ تحصیل اسے بار بار اس دریا کی غواصی پر اکساتی ہے۔ چنانچہ ایک حقیقی طالب علم زندگی بھر علم کی طلب میں سرگرداں وشاداں رہتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ حصول علم کے لیے عمر کی پابندی نہیں۔ ایسا طالب علم ہی حقیقی استاد کے منصب پر فائز ہوتا ہے۔ لیکن عام طور پر طالب علم سے نوجوان نسل ہی مراد لی جاتی ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا پہلا خطاب جو بزبانِ جبرئیلؑ لفظ اقرا یعنی پڑھنے سے آغاز ہوا۔ پھر علم کے تمام لوازم، قلم، کتاب، سطور، غور وفکر اور تحقیق کا تذکرہ کیا۔ قرآن کے ذریعے انسان کو گذرے زمانوں کا علم عطا کیا۔ رسالت مآبؐ نے جس طرح اپنے اصحاب کو تعلیم دی۔ سیرت اور تاریخ کی کتب میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ مسلمانوں نے حیات نبویؐ سے تعلیم وتعلم کے اصول کشید کیے۔ تعلیم وتحقیق طرز زندگی بن گئی۔ اس چشمۂ فیض سے اقوام عالم نے اکتسابِ فیض کیا۔ فرمان رسالتؐ ہے۔ (مفہوم) "حکمت مومن کی گم شدہ میراث ہے۔ جہاں سے بھی ملے اسے حاصل کرلو۔" یعنی جیسے زبان کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ اسی طرح علم کا بھی کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ زبان مقصود بالذات نہیں یعنی کوئی زبان سیکھنا مقصد نہیں بلکہ علم حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح علم حاصل کرنا ہی مقصد ومتاع انسانی نہیں بلکہ علم ایک ذریعہ ہے جس سے انسان کو اپنی زندگی کے مقاصد اور ان مقاصد کے حصول کے سلیقے، قرینے اور طریقے سے آگہی حاصل ہوتی ہے۔ دنیا میں جن اقوام نے حصول علم کا یہ راستہ اختیار کیا۔ وہ ترقی کے زینے طے کرتی گئیں۔ جبکہ مسلمانوں نے جب اس راہ سے روگردانی کی تو زوال وپامالی ان کا حصہ بن گیا۔ کیونکہ فاطر ہستی کا ازل سے یہ دستور ہے۔ بقول اقبال۔

مسلم آئیں ہوا کافر تو ملے حور و قصور

اور قرآن کا بھی یہ اعلان ہے کہ: اللہ اس قوم کی حالت نہیں بدلتا جسے خود اپنی حالت بدلنے کا احساس نہ ہو۔ بقول ظفر علی خاں۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

جب قوموں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہے تو ان پر غلامی طاری کردی جاتی ہے۔ اسی لیے حالی نے کہا تھا۔

یوں تو آیا ہے تباہی میں یہ گزرے سو بار
پر ڈراتی ہے بہت آج بھنور کی صورت

آگے چل کر اقبال نے اس ڈر کی وجہ یہ بیان کی ہے۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

ہم نے شریعت کے جو پیمان توڑے تھے وہ سب لے جا کر اہل مغرب نے جوڑے۔ ہم کسی یکجائی سے پھر عہد غلامی کر کے ملت احمد مرسلؐ کو مقامی کر کے ہی مسلمان بطور قوم اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ تاریخِ انسانی کا ارتقا گواہ ہے کہ کسی سماج، (جس کے لیے اردو میں معاشرہ اور

انگریزی میں سوسائٹی کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں) میں نوجوان نسل کا کیا حصہ ہوتا ہے۔ نوجوان نسل کسی بھی قوم کا آنے والا کل ہے۔ اسے آگہی اور شعور کی منزل حاصل کرنے کے لیے علم کا حصول ازبس ضروری ہے۔ گویا علم حاصل کرنا نوجوان نسل کا فرض ہے مگر اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے استاد کا مقام نہایت اہمیت بلکہ مرکزی اہمیت رکھتا ہے۔ استاد جس کے بارے میں ابتدا میں مذکور ہوا کہ وہ بھی طالب علم ہی ہوتا ہے۔ فرمانِ رسالتؐ اور تاکیدِ رسالتؐ کی روشنی میں علم کی طلب کسی جاہ وحشم اور دولت وثروت سے منسلک یا مشروط نہیں۔ بلکہ علم منشائے ایزدی، اخوت کی جہانگیری اور محبت کی فراوانی کے حصول کو پیش نظر رکھتا ہے۔ سب سے پہلے تو ہمیں دوسروں کی طرف دیکھنے کے بجائے خود کی طرف دیکھنا ہوگا۔ ایک قوم کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو خود محسوس کرنا ہوگا۔ اس کے لیے سماج میں اپنی اہمیت کا ادراک کرنا ضروری ہے۔ بقول اقبال۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

اپنے فرائض کی ادائیگی کو اپنے حقوق کے تحفظ پر مقدم رکھنا چاہیے۔ اس حقیقت کو علم ہی آشکار کرتا ہے کہ اپنے فرائض کی ادائیگی ہی حقوق کے تحفظ کی ضمانت ہے۔ کیونکہ معاشرہ افراد سے عبارت ہے اور حقوق وفرائض کے توازن ہی سے نمو پاتا ہے۔ ایک فرد کے فرائض دراصل دوسرے کے حقوق کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ہمسایے کے آرام اور اطمینان کا خیال رکھنا آپ پر فرض ہے۔ جب آپ یہ فرض ادا کر رہے ہوتے ہیں تو ہمسایہ اپنے حق سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ یہی اصول آپ کے ہمسایے پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے فرائض ادا کرتا ہے تو آپ کے حقوق ادا کر رہا ہوتا ہے۔ یہ ہمسائیگی کا یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے چلتے چلتے قومی سطح پر پہنچ کر قومی ترقی اور صحت مند معاشرے کی تشکیل کا ذریعہ بنتا ہے۔ مگر یہ شعور صرف نصابی علم

سے نہیں ملتا۔ نصابی علم سے امتحان تو پاس کیا جاسکتا ہے مگر تحصیلِ علم کا خواب پورا نہیں ہوسکتا۔ اس کے لیے انسان کو ماحول کی ضرورت ہوتی ہے جو گھر، مدرسے اور معاشرتی خدوخال یعنی رسم ورواج اور فن وثقافت سے مل کر بنتا ہے۔ ایک طالبعلم جس تکون میں زندگی کے سفر کا آغاز کرتا ہے وہ استاد، والدین اور ماحول سے تشکیل پاتا ہے۔ ایک طالبعلم جو معاشرے کا فعال رکن ہوتا ہے اس کے لیے اوّل والدین اس کی کائنات کا محور ہوتے ہیں پھر جب وہ سکول جاتا ہے تو اس کی کائنات گھر سے سکول تک پھیل جاتی ہے۔ گھر اور سکول کے درمیان ماحول کے سایے اس کی شخصیت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یا یوں کہہ لیں کہ ماحول ایک سائبان کی طرح ہے جس کے دوستوں، والدین اور اساتذہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرد کی تعمیر وتزئین اور اس کے کردار کی تشکیل میں اس تکون کے تینوں زاویے براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رکھنی چاہئے کہ ہمارے اقوال (پند و نصائح) کے بجائے اعمال (فعال) ہمارے تخاطب کو متاثر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر استاد اپنے طالبعلم کو سارا سال سچ بولنے کی تلقین کرتا رہتا ہے مگر خود کسی موقع پر یا گفتگو میں لاشعوری طور پر اپنے جھوٹ بولنے کا تذکرہ کردیتا ہے تو طالبعلم کو کی گئی سچ بولنے کی نصیحت کا سارا تاثر زائل ہوجائے گا۔ اسی طرح اگر ایک استاد لالچ بُری بلا کا درس دیتا رہتا ہے اور جب طلباء سے بھاری ٹیوشن فیس کا مطالبہ کرتا ہے تو طلباء کے لیے ایسے استاد کی قدر ختم ہوجاتی ہے۔ جب شاگرد استاد سے متنفر ہو جاتا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ وہ اس کی کہی ہوئی بات پر عمل کرے۔ کیونکہ جو آپ کو اچھا لگے اس کی بات بھی اچھی اور جو برا لگتا ہے اس کی ہر بات بری لگتی ہے۔ آج کا دور تکون کے تینوں زاویوں کے عدم استقلال اور استحکام کے فقدان سے پُر آشوب ہے۔ چنانچہ آج کے طالبعلم کو جس ماحول سے سابقہ ہے اس کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے میں والدین اور خاص طور پر ماں اور اساتذہ کا کردار بہت اہم ہے۔ طلبہ کو معاشرے میں فعال کردار ادا کرنے کے لیے اس کی کردار سازی ضروری ہے اور اس میں اولین استاد ہونے کی حیثیت سے ماں اور پھر اساتذہ کی حیثیت مسلم ہے۔ اس عمل میں والد کی حیثیت محض سہولت کار کی سی ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج، تا ثریا می رود دیوار کج۔

عجیب بات ہے کہ جس نئی نسل نے پاکستان کی تخلیق میں اپنا کردار ادا کیا تھا۔ اسے زندگی کے تمام معاملات جن میں تعلیم اور معاش سرفہرست تھی، میں جن مشکلات کا سامنا تھا۔ وہ آج کی نسل کو نہیں ہے۔ نہ تعلیم کے لیے وہ سہولیات اور آسانیاں میسر تھیں جو آج کی نوجوان نسل کو میسر ہیں۔ نہ ہی تو کوئی مربوط نظامِ تعلیم میسر تھا۔ لیکن اس نسل میں محنت دیانت لگن کا جوہر موجود تھا۔ انسانی اقدار واخلاقیات زیادہ تھیں۔ غربت تھی۔ بہتر سے بہتر کی تلاش کی خو بھی تھی۔ مگر شاید وہ بے چینی، اضطراب اور بے قراری نہیں تھی جو آج کی نوجوان نسل میں پائی جاتی ہے۔ جاہ ومنصب اور مال ومتاع کے حصول کے لیے وہ ہر وقت مضطرب ہے۔ اس کے حصول کے ذرائع کے جائز وناجائز ہونے کے بارے میں آج کی تعلیم، جس سے تربیت کا عنصر خارج ہے، خاموش ہے۔ لیکن اس میں، میں سمجھتا ہوں کہ نئی نسل کا قصور نہیں بلکہ یہاں کوتاہی کا سراسر مظاہرہ اس نسل سے سرزد ہوا ہے جس نے اپنی روایات اور اقدار کو اگلی، موجودہ نسل کو منتقل نہیں کیا۔ اس کی وجوہات بیان کرنے کے لیے ایک طویل دفتر درکار ہے۔ چنانچہ ہم اس مضمون میں اپنی توجہ، ایسا کیوں نہیں ہوا، کے بجائے ایسا ہونا چاہئے اور کیسے ہونا چاہئے پر مرکوز رکھتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ جب کسی سماج میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو بقول حالی۔

کسی قوم کا جب اُلٹتا ہے دفتر
تو مسخ ان میں ہوتے ہیں پہلے تونگر
کمال ان میں رہتے ہیں باقی نہ جوہر
نہ عقل ان کی ہادی، نہ دین ان کا رہبر

کسی معاشرے کا امیر طبقہ سب سے پہلے گمراہ ہوتا ہے اور اس میں سے وہ کمالات و جواہر رخصت ہوجاتے ہیں جو ماحول اور روایات کی پاسداری کے امین ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب ماحول بگڑتا ہے تو اس ماحول میں رہنے والے ہر شعبے پر اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ واضح رہے کہ جس

ماحول کو ہم نے طالبعلم کی تشکیل کا زاویہ کہا ہے والدین اور اساتذہ اس ماحول کا بھی حصہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ ماحول کی خرابی اور پراگندگی کا اثر ان کے ذریعے اس طرح بھی طلباء کی کردار سازی پر اثر انداز ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جس تکون کا ذکر کیا گیا۔ سب سے پہلے اس کی تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے۔ تعلیمی عمل صرف اسی صورت میں کردار سازی کا مؤثر ذریعہ بن سکتا ہے۔ بصورت دیگر تعلیم حاضرہ صرف حصولِ روزگار کا ذریعہ بن کر رہ جائے گی۔ بلکہ بن کر رہ گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وطنِ عزیز میں تعلیمی نصاب اور نظام تعلیم کے لیے نت نئے تجربات ہو رہے ہیں۔ سرکاری اداروں کا نظام تعلیم اور ہے۔ پرکشش ناموں سے قائم نجی تعلیمی ادارے، بھاری فیسوں والے ادارے، فرنچائز سکول سسٹمز۔ سب اپنا اپنا راگ الاپ رہے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ملک میں رائج نظام ہائے تعلیم کردار سازی کم اور طبقاتی تفریق اور احساس کمتری اور برتری (جو احساس کمتری ہی کی بدترین شکل ہے) کا احساس پیدا کر کے مقابلے کی فضا پیدا کر رہے ہیں۔ جس میں نوجوان نسل کو باور کروایا جاتا ہے کہ تمھیں اعلیٰ نمبر حاصل کر کے ہی زندگی میں اعلیٰ مقام مل سکے گا۔ چنانچہ اس اعلیٰ نمبروں کے حصول کے لیے وہ اپنے اردگرد سے بے نیاز ہر حیلہ اپنی ذات کے گرد طواف کرتا رہتا ہے۔ اسے یہ نہیں بتایا جاتا کہ وہ ایک معاشرے کا فرد ہے۔ اور معاشرے کے فرد کی حیثیت سے اس کے کچھ فرائض ہیں۔ میں سمجھتا ہوں اس مقابلے کی دوڑ استحصالی نفسیات کو جنم دیتی ہے اور کردار سازی میں ایثار، قربانی، اخلاص انسانی ہمدردی اور دیگر جملہ اوصاف حمیدہ استحصالی نفسیات کے باعث غیر اہم ہو کر رہ جاتا ہے۔

ہر قوم میں کچھ امتیازی اوصاف ہوتے ہیں جو اسے دوسری قوم سے الگ کرتے ہیں۔ یہ بنیادی نکتہ ہمارے یقین کا حصہ ہونا چاہئے۔ جس کے تحت پاکستانی قوم اور انگریز بلکہ یورپی اقوام، الگ الگ تخصیص اور امتیاز کی حامل ہیں۔ کردار سازی کے عمل میں تعلیمی نظام کی تشکیل نو کی ضرورت ہے۔ اور اس کے لیے اقبال کا یہ شعر ضرور پیش نظر رہنا چاہئے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی!

ہمارا معاشرہ اور طلباء کا کردار

ڈاکٹر انیل سیموئل

اکیسویں صدی کی دوسری دہائی اختتام پذیر ہونے کو ہے۔ دنیا چوتھے صنعتی انقلاب میں داخل ہو چکی ہے اور تعلیمی میدانوں میں سرِ فہرست بلکہ ناگزیر STEM یعنی سائنس، ٹیکنالوجی، انجینئرنگ اور میڈیکل کی تعلیم ہے۔ STEM کے ساتھ ساتھ انسانی تہذیب وتمدن کی آبیاری کے لیے ادب اور آرٹ کی اہمیت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے۔ بات چوتھے صنعتی انقلاب کی ہو یا جدید مضامین کی، کسی بھی قوم یا معاشرے کی ترقی وتنزلی کا دارومدار طلبہ پر ہے۔ ابتدائی سکول سے لے کر یونیورسٹی کی سطح تک ہر شعبہ زندگی کی ضروریات اور مسائل کا مستقل یا وقتی حل طلبہ کی عملی صلاحیتوں سے مشروط ہے۔

ذرا غور کیجیے، ہماری سب سے بڑی طاقت کیا ہے؟ بلاشبہ یہ طاقت ہمارے لاکھوں بلکہ کروڑوں طلبہ ہیں جو مدرسوں، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں زیرِ تعلیم ہیں۔ یہ طلبہ کسی بھی مقصد کے حصول میں اپنا کلیدی کردار ادا کر سکتے ہیں۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں تحقیق اور ایجاد کی غالب ذمہ داری طلبہ نے اُٹھا رکھی ہے۔ علاوہ ازیں سکولوں میں طلبہ کا زیادہ تر وقت عملی تعلیم کے حصول میں صرف ہوتا ہے۔ فن لینڈ میں اب کمرہ جماعت اور مضمون (Subject) جیسی بندشیں بھی ختم ہونے کو ہیں۔ اب طلبہ کا زیادہ تر وقت لیبارٹریز اور فیلڈ میں گزرتا ہے۔ سائنس، ٹیکنالوجی، انجینئرنگ اور میڈیکل کے علاوہ زبان، ادب اور معاشرتی علوم میں بھی PBL (Project Base Learning) یعنی منصوبہ جاتی اکتساب کو فوقیت حاصل ہے۔ ویسے بھی معاشرتی علوم پڑھانے سے زیادہ عملی طور پر سکھائے جانے والے علوم ہیں۔ محض کتابوں میں درج مواد کو رٹنے اور امتحان میں چھاپ دینے سے نمبروں کے علاوہ کچھ خاص حاصل نہیں ہو سکتا۔

دراصل اس تفصیل کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ آج کے دور میں طلبہ کے تعلیمی سلسلے کا اثر براہ راست طلبہ اور معاشرے پر ہونا چاہیے۔ بہر حال اس امر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ طلبہ کے کردار کو مؤثر بنانے کے لیے نظامِ تعلیم اور استاد کا کردار انتہائی اہم ہے۔ طلبہ بنیادی سائنسی حقائق کو جب عملی طور پر سمجھیں گے تب ہی دوسروں کو معلومات یا عملی اقدام یعنی چھوٹی چھوٹی ایجادات کے ذریعے فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ اسی طرح زبان اور ادب کو معاشرتی اصلاح کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ طلبہ زبان کی درستی یعنی تلفظ، الفاظ ومحاورات کا درست استعمال اور اعلیٰ ادبی وفکری افکار کی ترویج کے لیے عملی کردار ادا کر سکتے ہیں۔ سکول اور کالج کے اردگرد کے علاقے اور ملنے ملانے والوں کے ساتھ مختلف سرگرمیوں کا انعقاد کر کے مطلوبہ اہداف حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ اب تعلیم عمارتوں تک محدود نہیں رکھی جا سکتی۔

ماحولیاتی آلودگی کے خلاف جنگ میں طلبہ کی مدد سے فتح حاصل ہو سکتی ہے۔ طلبہ تعلیمی اداروں کے گردونواح میں مستقل بنیادوں پر شجرکاری مہم چلا کر ملک کو سرسبز بنانے کی یقینی صلاحیت رکھتے ہیں۔ مستقل بنیادوں سے مراد یہ ہے کہ مختلف موسموں کے مطابق پودے لگانے کا سلسلہ شروع ہو اور پھر ان پودوں کی درخت بننے تک دیکھ بھال کی جائے۔ ساحلی علاقوں کے طلبہ اسی طرح سمندری آلودگی کم کر کے سمندری زندگی اور ماحول کو محفوظ بنا سکتے ہیں۔ ریتلے علاقوں میں پانی کی فراہمی کے لیے یونیورسٹی طلبہ کو تحقیقی بنیادوں پر

متبادل حل تجویز کرنے ہوں گے۔ اسی طرح کوڑا کرکٹ کو ٹھکانے لگانے اور گردونواح میں صفائی کی سرگرمیوں سے متعلقہ اداروں کے تعاون سے حیران کن نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ طلبہ معاشرے میں ایمان داری، محنت، لگن، خلوص اور محبت جیسے بنیادی انسانی اوصاف کو عام کرنے زبردست نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔

مذکورہ بالا مسائل اور ان کے حل میں طلبہ کے کلیدی کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مثالی معاشروں کا راز طلبہ کے مثبت اور مؤثر کردار میں پنہاں

ہے۔ قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ طلبہ کی طاقت کو کس طرح ایک بیمار، تھکے ماندے اور شکست خوردہ معاشرے کی تعمیر و ترقی کا فیصلہ کن ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔ اِس کے لیے مشکل اور تاریخی فیصلے کرنے ہوں گے۔ فرسودہ تعلیمی نظام کو عملی تعلیمی نظام بنانا ہوگا۔ انتہائی تربیت یافتہ اور حقیقی قابلیت کے حامل اساتذہ کا پُتا ؤنا گزیر ہے۔ اُستاد کو معاشرے میں بااعزت مقام حاصل ہونا چاہیے۔ بالکل ویسا ہی مقام جیسا کسی منصفِ اعلیٰ، پولیس آفیسر یا کمشنر کا ہوتا ہے۔ مثالی معاشروں میں اُستاد کے اعلیٰ مقام کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ جیسے ایک فوجی افسر اپنے سپاہیوں کی مدد سے کوئی ملک فتح کر سکتا ہے بالکل اسی طرح ایک قابل استاد اپنے طلبہ کی مدد سے معاشرے میں انقلابی تبدیلیاں برپا کر سکتا ہے۔

طلبہ کی مذکورہ بالا مثبت اور فعال سرگرمیوں کو امتحانی نظام سے منسلک کر کے تعلیم کو حقیقی معنوں میں مفید بنانے کی اشد ضرورت ہے۔ اگلی جماعت میں جانے یا ڈگری کو انسانیت، حبُ الوطنی، ایمان داری، محنت، لگن اور مفادِ عامہ سے مشروط کر دینا چاہیے۔ اگر طلبہ کی فیصلہ کن اور توانا قوت کو تسلیم کر کے کوشش کی جائے تو چند ہی برسوں میں مثبت نتائج ہمارے سامنے ہوں گے۔ کئی طالب علم انفرادی سطح پر یا گروہ کی صورت میں معاشرے کو بہتر بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کوئی سٹریٹ سکول چلا رہا ہے تو کوئی درخت لگا کر ملک کو آکسیجن فراہم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مگر ایسے طلبہ کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ تعلیمی نظام میں انقلابی اقدامات اب ناگزیر ہیں۔ زیادہ دور نہ جائیں ہمارے سامنے ایشیائی ممالک جاپان، کوریا اور چین کی مثالیں ہیں۔ ان کے تعلیمی نظام عملی اکتساب کی بنیادوں پر کھڑے ہیں۔ کتابی اخلاقیات اور شان دار ماضی کی کہانی سنانے کے زمانے کب کے گزر چکے ہیں۔ ہم پہلے ہی تعلیمی میدان میں دوسروں سے کئی دہائیاں پیچھے ہیں۔ اب طلبہ کی طاقت کو آزماتے ہیں، یقین کیجیے نتائج زیادہ دُور نہیں۔

اساتذہ اور والدین کے لیے چند گزارشات

عبیرہ احمد

کردار ایک پسندیدہ طرزِ عمل کا نام ہے۔ عموماً افراد کے طرزِ عمل کو معاشرہ یا مذہب متعین کرتا ہے۔ ہم معاشرے اور مذہب دونوں قوتوں کے تناظر میں لفظ کردار کی وضاحت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پہلے معاشرے کو لیجیے۔ معاشرہ افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔ معاشرتی اقدار تغیر کو قبول کرتی ہیں۔ ہر معاشرہ اجتماعی طور پر تبدیلی کے عمل سے گزرتا ہے۔ یہ تبدیلی مثبت یا منفی ہوتی ہے۔ معاشرے میں مختلف انسان سانس لیتے ہیں۔ ان کے بیچ اگر مماثلت کا امکان موجود ہے تو اختلاف بھی ناگزیر ہے اس لیے مثبت یا منفی بھی اصطلاحات ہیں۔ معاشرے کی اساس عدل اور رواداری پر ہے۔ یہاں کردار کو ہم فرد کے وجود کا غالب عنصر کہہ سکتے ہیں جسے معاشرے میں مقبول ترجیحات کی پاسداری کے لیے اپنایا جاتا ہے۔ کردار اکثریت کے عمل سے مشابہ ہو تو درست ورنہ نادرست کہلاتا ہے۔

اس کے برعکس مذہب ایک مستقل طرزِ عمل کا تعین کرتا ہے۔ مذہبی اخلاقی ضابطے قائم اور قدیم ہیں۔ لیکن دل چسپ بات یہ ہے کہ اصول اگرچہ مسلّم اور طے شدہ ہیں لیکن مذہب کی رو سے فرد کا کردار جامد نہیں بلکہ مستقل ارتقاء پزیر ہونا چاہیے کیوں کہ معاشرتی کردار کے برعکس مذہبی کردار افراد کی اکثریت کے غالب طرزِ عمل کو اپنانے پر مجبور نہیں بلکہ انسانیت کے اکمل ترین افراد کے طرزِ عمل کو اپنانے کا نام ہے اگرچہ اکثریت اس سے منحرف ہی کیوں نہ ہو۔

لازم ہے کہ معاشرہ اپنی بقاء کے لیے کچھ اُصول تو وضع کرے گا ہی۔ یہ اُصول اور معیارات کہیں نہ کہیں سے اخذ بھی کیے جائیں گے اور کسی نہ کسی ذریعے سے افراد تک پہنچائے بھی جائیں گے۔ فی زمانہ میڈیا (ڈیجیٹل، الیکٹرانک اور پرنٹ) ترسیلِ معلومات کا سب سے بڑا چینل ہے۔ لیکن کیا فرد کی کردار سازی کا فریضہ معاشرہ کسی بھی دور میں کُلی طور پر میڈیا کو سونپ سکا ہے؟ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ کردار سازی کا عمل براہِ راست تعلق کا ہمیشہ سے محتاج رہا ہے۔ رابطے اور تعلق کے فرق کو سمجھے بغیر شاید آپ مجھ سے اختلاف کریں۔ لیکن یہ رابطہ جو تحریر کے توسط سے میں آپ سے قائم کر رہی ہوں یہی مستقل قائم رہا تو کچھ عرصہ کے بعد تعلق میں بدل جائے گا اور جب شاید آپ مجھ سے محض اس لیے اختلاف نہیں کریں گے کہ آپ فوری طور پر میری بات کو سمجھ نہیں رہے۔

بہر کیف آپ میں اور مجھ میں کوئی اختلاف اس مسئلہ پہ نہیں کہ معاشرے کو فعال اور مثبت کرداروں کی ضرورت ہے۔ کردار سازی یا ایک مثبت فکر و عمل کو پروان چڑھانے کے لیے والدین کے ساتھ استاد کا کردار بے حد اہم ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا استاد کی موجودگی زمانہ حال میں عروج جدید نظامِ تعلیم میں بھی اتنی ہی اور ویسی ہی ناگزیر ہے جیسی پچھلے وقتوں

میں تھی۔ بہ ظاہر کوئی تعلیمی ادارہ استاد کے بغیر نہیں چل رہا۔ ہر شعبے اور طریقۂ فکر کے معتبر افراد اپنی تربیت کے بیشتر حصے کے لیے کسی استاد کے مرہون احسان دکھائی دیں گے۔ اب سے تقریباً ایک صدی پہلے علم و ہنر کی متنوع اشکال موجود تھیں۔ ہر پیشے کے ماہر فن کاریگر موجود تھے۔ یہی ہُنر ایک طویل ریاضت کے بعد اپنی انتہائی شکل میں آتے تو ایک فن کار کا رُوپ دھار لیتے۔ مشینوں کی یلغار نے ہمارے روایتی پیشوں پر کاری ضرب لگائی۔ اب یہ ہُنر مند ڈھونڈنے سے نہیں ملتے۔ روایتی استادی شاگردی کا رشتہ بھی ان پیشوں

اپنے شاگردوں کو ایک کردار کے استوار ہونے میں مدد دے رہا ہے جس کے لوازم ہیں، محنت، مستقل مزاجی اور باریک بینی۔ تمام حسیات کے ارتکاز سے ایک محدود میڈیم کے ذریعے کائنات کی تجسیم کرنا آسان کام نہیں۔ یہ کام جامد علم کے ذریعے کیا جاسکتا ہے۔ استاد امین ہے ان کرداری صفات کا اور ایک ہُنر مند یا فنکار زبانی درس دینے والے استاد سے زیادہ ذمہ داری کے ساتھ امانت کی سرداری کر رہا ہے۔

یہاں ہم نے کچھ کرداری صفات کی بات کی ہے جیسے

کے زوال کے ساتھ ختم ہوگیا۔ کبھی آپ نے غور کیا کہ فنکار اور ہُنر مند استاد کے وجود کا زیادہ شدت سے طلب گار کیوں ہوتا ہے؟ فلسفہ، نفسیات یا تاریخ پڑھنے والے کے لیے اُستاد کی شاید وہ حیثیت نہ ہوتی ہو جو مجسمہ ساز، نقاش، مصور اور رقاص کے لیے ہے۔ اس کا ایک خواب تو یوں ممکن ہے کہ ہاتھ کے ہُنر مند کا عیب جلدی ظاہر ہو جاتا ہے لیکن بات کچھ اور بھی ہے۔ فنکار اور ہُنر

محنت، مستقل مزاجی اور ژرف نگاہی! کردار ان کے سوا کیا ہے؟ وہ کون سی اعلیٰ کرداری صفات ہیں جن کے بغیر انسان شرف انسانیت سے گر جاتا ہے؟ جان لیجیے کہ کردار کچھ صفات کے موجود ہونے کا نام نہیں بلکہ ان کے اطلاق سے عبارت ہے۔ سچ ایک قدر ہے لیکن قول کی سچائی معاشرے کے استحکام کے لیے ایک عملی اقدام ہے۔ اسی طرح اعلیٰ کرداری صفات میں

سے کسی بھی ایک کا بحالا نا مثبت تغیر کے ایک سلسلے کو قائم رکھنے کے مترادف ہے۔ بدلتی ہوئی، معاشرتی ترجیحات کے تناظر میں فرد کے لیے ناگزیر طرزِ عمل کیا ہے؟ اس کا ایک لفظی لیکن مشکل جواب ہے اعتدال۔ یاد رکھیں کہ تبدیلی کا عمل آہستہ رو ہو تو فرد اور معاشرے دونوں کے لئے بہتر ہے۔ یہاں والدین کو چاہیے کہ اپنی ترجیحات پر نظر رکھیں۔ فیصلہ کیجیے کہ آپ اپنے بچے کی تربیت میں کیا عناصر دیکھنا چاہتے ہیں۔ قدامت پسند ہوں یا جدید کوئی والدین اپنے بچے کو جھوٹا، چوری چکاری کا عادی، منشیات کا عادی یا بدچلن دیکھنا نہیں چاہتے۔ اختلاف یقیناً ان مسائل میں ہوگا جن کا حل موجود ہے۔ مثلاً پاکستانی معاشرے کا بچہ کون سی زبان بولے مادری، قومی یا دفتری؟ اس کا لباس کیا ہونا چاہیے؟ اس کی دوستی دوسری صنف کے ساتھ کس حد تک قابلِ قبول یا بالکل نہیں ہے یا یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی؟ مناسب ہو کہ ان تمام سوالات اور ان کے ممکنہ جوابات کا ایک سوال نامہ ہر خاندان کا سربراہ تیار کر لے اور بچوں کے ساتھ ان مسائل پر گفتگو کی راہ ہموار کی جائے۔ یقیناً یہ کار دشوار ہوگا۔

بقول شاعر:

حق بات بھی کہتے ہوئے ڈر لگتا ہے اب تو
یہ نسل کہیں ہم سے بغاوت ہی نہ کر دے

لیکن مکالمہ وہ واحد راستہ جس کے ذریعے مفاہمت کی راہ ڈھونڈی جا سکتی ہے۔ اگر گھر میں تین نسلیں آباد ہوں تو ترجیحات کا یہ تضاد کبھی کبھی بہت تکلیف دہ ہو جاتا ہے اور بچہ مجبوراً دوغلی زندگی کی طرف راغب ہونے میں عافیت سمجھتا ہے۔ ایسی صورت میں والدین کو کبھی بھی بچے کو جھوٹ بولنے یا کچھ چھپانے کی ترغیب نہیں دینی چاہیے بلکہ بچوں اور اپنے بڑوں کو آپس میں مکالمہ کی آزادی دینی چاہیے۔

ہم پہلے اس دور کی بات کر چکے ہیں جب ایک استاد پورے تعلیمی نظام کا متبادل ہوا کرتا تھا۔ اب آیئے اس سوال پر کہ کیا فرد کی کردار سازی کے عمل کو آج کا تعلیمی نظام لاگو کر سکتا ہے؟ بے شک! لیکن ایک ہی معاشرے میں مختلف نظامِ تعلیم کام کر رہے ہوں اور سب کی اقدار مختلف ہوں تو؟ اوّل تو یہ بات جان لیجیے کہ صرف تعلیمی ادارہ فرد کی تربیت کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ جب ہم تعلیمی عمل کی بات کرتے ہیں تو یقینی طور پر اس سے مراد والدین اور اساتذہ دونوں ہوں گے۔

جن کے کردار سے آتی ہو صداقت کی مہک
ان کی تدریس سے پتھر بھی پگھل سکتے ہیں

اس سلسلے میں کچھ تجاویز پیشِ خدمت ہیں:

☆ والدین ابتدائی تعلیم کے لیے اس تعلیمی ادارے کو ترجیح دیں جس کا نصاب گھر میں کی جانے والی تربیت کے قریب ترین ہو۔ خاص کر چھوٹے بچوں کو شدید تضاد سے صدمہ نہ پہنچائیں۔

☆ بچوں کے کردار کی پرکھ کے لیے عملی آزمائش کی جائے۔ بچہ جھوٹ تو نہیں بولتا وغیرہ۔ ایسا والدین گھر میں بھی کر سکتے ہیں۔ بچے کو ہم عمروں کے ساتھ مناسب دورانیہ گزارنے کا موقع دیا جائے۔ اسی طرح والدین اور اساتذہ کے علاوہ بڑے بہن بھائی اور خاندان کے دیگر بڑوں کے ساتھ مناسب وقت گزارنے کا امکان پیدا کیا جائے۔

☆ فیملی ٹائم اور تعلیمی سرگرمی میں کچھ وقت خاموشی کا بھی ہونا چاہیے۔ خاص طور پر والدین بچے کو کچھ دیر کے لیے وقفۂ خاموشی کا چیلنج دیں اور اس دوران خود بھی خاموش رہیں۔

☆ والدین بچوں کو قابلِ اعتماد بڑوں، ملنے والوں کے ساتھ اپنے سامنے ہم کلام ہونے کا موقع دیں۔

☆ بچے جب تھوڑے سمجھ دار ہوں تو انہیں کچھ وقت تنہا کسی تخلیقی یا تعمیری سرگرمی کے لیے چھوڑا جائے۔

☆ فطرت کا ساتھ آزمائش بھی دیتا ہے اور انعام بھی۔ انسان ان مظاہر فطرت سے بہت کچھ سیکھ سکتا ہے جیسے باقاعدگی، زندگی اور موت پر یقین، سحر خیزی، دوسروں کے عیوب کی پردہ پوشی، گروہی زندگی وغیرہ۔ پھول، پودوں، پہاڑوں، ندی یا جگنو سے انسان کبھی جھوٹ، غیبت بدچلنی نہیں سیکھتا۔ بچوں اور بڑوں کو بھی فطرت سے ہم کلام ہونے کا موقع ملنا چاہیے۔

☆ یہاں تک ہم نے چھوٹے بچوں کی کردار سازی کی عملی تربیت کے بارے میں کچھ اُصول پیش کیے ہیں۔ یہ وہ دور ہے جب بچہ خواہ لڑکا یا لڑکی ماں باپ سے بے طرح مانوس ہوتا ہے اور اس محبت کے حصار میں خود کو محفوظ پاتا ہے۔ اب ہم قدرے بڑی عمر کے بچوں ٹین ایجرز (Teenagers) کی جانب آتے ہیں۔ سن بلوغت کے ساتھ بچے کئی نفسیاتی اُلجھنوں سے گزرتے ہیں۔ بیشتر بچے ان تبدیلیوں سے ہم آہنگی اختیار کر لیتے ہیں لیکن اگر ماں باپ کسی بچے کو مختلف پائیں تو پیشہ ورانہ مدد لینے سے ہرگز نہیں ہچکچانا چاہیے۔ بچے کو نفسیاتی اُلجھنوں سے نکالنے کے لیے آپ کا یہ قدم اسے اعتماد دلائے گا۔ جہاں تک تعلیمی عمل کے ذریعے کردار سازی کا تعلق ہے اس عمر تک بچہ اپنی پسند ناپسند کے معاملے میں رائے رکھنے کے قابل ہو چکا ہوتا ہے۔ مکالمے سے اس کی رہنمائی کریں۔ والدین اساتذہ سے رابطے میں رہیں۔ اساتذہ سے بچے کی پہلی یا دوسری پوزیشن کے متعلق پوچھنے کے بجائے اس کی ذاتی اور انفرادی صلاحیتوں پر بات کریں۔ دوسری طرف اساتذہ طلباء کو غیر نصابی سرگرمیوں کے دوران جانچتے رہیں۔

تعلیمی زندگی کے درجات جوں جوں بڑھتے جاتے ہیں طلباء پڑھائی کے مزید سے مزید بوجھ اور عملی زندگی کی مشکلات کے خیال سے زیادہ پریشان ہوتے جاتے ہیں۔ کسی خاص ڈسپلن میں جانے کی زبردستی اولاد کو پڑھائی سے متنفر کر سکتی ہے۔ ہر شخص تکلیف دہ ماحول سے فرار چاہتا ہے۔ یہ فرار نوجوان میں کبھی کردار کے زوال کا پیش خیمہ بھی بن جاتا ہے۔ عہدِ حاضر میں تعلیمی زندگی کے بہت سے نئے شعبے وجود میں آئے ہیں اور عملی زندگی کے

انتخاب کے لیے متعدد امکانات موجود ہیں۔ روایتی شعبوں پر اصرار کرنے کے بجائے اولاد کو ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے قابل بنائیے۔

ذیل میں مزید کچھ تجاویز والدین، درس گاہوں کے مدرّس اور ارباب اختیار کے لیے دی جا رہی ہیں:

☆ صنفی امتیاز کا خاتمہ کیا جائے۔ صنفی امتیاز بچیوں ہی میں احساس کمتری پیدا نہیں کرتا بلکہ وہ بچہ جسے جنس کی بنا پر برتری دی جاتی ہے، اس کے کردار

میں بھی کج روی پیدا ہوتی ہے۔

☆ اخلاقیات کا پرچہ نصاب میں شامل کیا جائے۔ کم از کم تمام جماعتوں کو ان کی سطح کے مطابق نصاب میں اخلاقی مضامین ضرور پڑھائے جائیں۔

☆ معاشرتی رویوں میں توازن برقرار رکھنے کے لیے بین المذاہب رواداری بچوں کو ابتداء ہی سے سکھائی جائے۔

☆ والدین اولاد سے دوست احباب سے واقف رہیں۔

☆ کتب بینی کی عادت بھی عمر میں اپنائی جاسکتی ہے۔ والدین بچوں کو کتابوں کے انتخاب میں مدد دیں، مہنگے تحائف کے بجائے لائبریری کی رکنیت لے کر دیں۔ ادارے بچوں کے تعلیماتی دوروں پر توجہ دیں۔

☆ سوشل میڈیا کے مثبت استعمال کی طرف بچوں کو راغب کریں سماجی بیداری کے بہت سے شعبے معاشرے کی بہبود کے لیے کام کر رہے ہیں۔ سکول اور کالج کے منتظمین طلباء کو رضا کارانہ طور پر کسی ایسی انجمن کے ساتھ شریک کار ہونے میں مدد دیں جو بہبود کے شعبے میں کام کر رہی ہو۔

یاد رہے کہ کردار ایک مجسمہ شے نہیں۔ غلطیوں سے سیکھنے کا عمل تمام عمر جاری رہتا ہے۔ کسی بھی انسان کے بارے میں دوٹوک رائے قائم نہ کر لینا چاہیے۔ اگر وہ اپنے اردگرد کسی برائی میں ملوث ہوتا نظر آئے تو اس سے نکلنے میں اس کی مدد کی جائے۔ سازگار ماحول کی بنا پر ہم اپنے لیے ایک مثبت طرز عمل اختیار کر سکتے ہیں۔ یوں کڑی سے کڑی ملتی چلی جاتی ہے۔

طلباء اور معاشرتی اداروں کی ذمہ داری

سیدہ شوال رضا

تعلیمی عمل سے مراد یہ لی جاتی ہے۔ کہ روائتی طریقوں پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ایک مقررہ نظام اور معیار کے مطابق سکول جانا، کتابیں رٹنا، امتحانات کے مختلف مراحل سے گزر کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا۔ ایسی اعلیٰ تعلیم کا حصول بھی اکثر اوقات نوکریوں کے تعین شدہ معیار تک پہنچنا ہوتا ہے۔

معاشرہ افراد کی بنیادی اکائی ہے۔ اس لیے افراد کی رسمی اور غیر رسمی تربیت کا ذمہ دار بھی ہے۔ معاشرتی اداروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ افراد کی تربیت کے لئے ایک لائحہ عمل تیار کریں۔ پھر اسے قابلِ عمل اور افراد کی اصلاح و ترقی کے لئے مددگار بنائیں۔ افرادی قوت بہت اہمیت کی حامل ہے اگر وہ ریاستی استحکام میں ممد و معاون ثابت ہو۔ یہ اسی صورت ممکن ہے جب ریاستی ادارے افراد کو بہتر کام کرنے کے مواقع فراہم کریں اور انہیں ان کی صلاحیتوں کے مطابق ذمہ داریاں سونپی جائیں۔ صرف اسی صورت میں افراد ملکی وسائل کو بروئے کار لا کر بہتری کی طرف لے جا سکتے ہیں۔

ضروری امر تھا کہ ریاستی ڈھانچے کی تشکیل کے وقت مختلف اداروں کو ان کی صلاحیت اور استعداد کے مطابق ذمہ داریاں سونپ کر گاہے بگاہے ان کا جائزہ لیا جائے۔ بہت پہلے تدریس ایک آسان شعبہ سمجھا جاتا تھا اور وہ لوگ جو کچھ نہیں کر پاتے تھے شعبہ تعلیم سے وابستہ ہو جاتے تھے۔ پھر بے دلی اور بے رحمی کی انتہاؤں پر رہتے ہوئے تشدد آمیز رویے اپنائے رکھتے تھے اور طلباء کے ساتھ ہم آہنگی کے تصور کو بھی اُستاد اپنی بے عزتی تصور کرتے تھے۔ لیکن اب اس بات کو شدت سے محسوس کر لیا گیا ہے۔ کہ تعلیم سب سے اہم شعبہ ہے تمام اداروں میں آنے والے افراد تعلیمی عمل کے دوران جس کردار سازی کے عمل سے گزرے ہوں گے ان کا زندگی کے بارے میں وہی رویہ رہے گا۔

تعلیم کسی بھی معاشرے میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ تعلیمی ادارے کھولنا۔ اساتذہ تعینات کرنا اور بہت پیسہ لگا کر مفت کتابیں مہیا کرنا تعلیمی نظام چلانے کے لیے کافی ہوگا یا پھر اساتذہ کو ان کی تعلیمی صلاحیتوں کے مطابق تعینات کرنا اور نظام کی کارکردگی کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اساتذہ کو ان کے مضامین کے مطابق عہدے سونپ دینے کے بعد بھی انکی کارکردگی کا جائزہ لیا جاتا رہے۔ تعلیم کو گلے بندھے طریقہ کار کے مطابق چلانے کی بجائے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جائے۔ اساتذہ صرف تدریسی ذمہ داری کو بیدلی سے نہ نبھائیں بلکہ تعلیم کو کردار سازی کا اہم ذریعہ سمجھتے ہوئے طلباء کے کردار و افعال پر بھی گہری نظر رکھیں۔ مضامین کے چناؤ سے لے کر بچے کی ذہنی سطح کے مطابق اس کی تربیت کریں۔

صرف پڑھنے لکھنے سے ایک پڑھا لکھا معاشرہ وجود میں نہیں آتا۔

نصابی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ غیر نصابی سرگرمیاں اور بچے کی دلچسپی کے کھیل، تقریری مقابلوں اور مصوری کی نمائشوں اور بزمِ ادب کی مشقوں کی بھی ضرورت ہے۔ غیر نصابی سرگرمیاں آکسیجن کی طرح کام کرتی ہیں بچے بشاش بشاش ہوکر پہلے سے زیادہ بہتر تعلیمی نتائج دیتے ہیں۔ انسان چونکہ معاشرتی حیوان ہے تو اسے لوگوں سے ملنے جلنے اور نئی چیزیں سیکھنے کی ضرورت اور خواہش ہمیشہ رہتی ہے۔ وہ زیادہ اچھے طریقے سے اپنا جائزہ لینے کے قابل ہوجاتا ہے کہ اسے اپنے آپ میں کیا بہتر کرنا چاہیے۔ اور کس رویے کی نفی کرنی چاہیے۔

تعلیمی ادارے جس قدر اہمیت کے حامل ہیں ان کا انتصابی عمل، کارکردگی کا جائزہ اسی قدر ضروری ہے۔ اساتذہ کو ان کی بہتر اور نمایاں کارکردگی پر انعامات اور اعزازات سے نوازا جائے تاکہ وہ اپنے شعبے سے محبت کریں۔ اسے صرف پیسے کمانے کا ذریعہ نہ سمجھیں۔ تعلیمی عمل کو کردار سازی سے ہم آہنگ کرنے کے لیے اداروں اور اساتذہ کو جدید سہولتوں اور تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا ہوگا تاکہ تعلیمی عمل جمود کا شکار نہ ہو۔

بقول اقبال۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

لہٰذا نم کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے۔ محنت، سائنس اور ٹیکنالوجی سے واقفیت، نصاب میں وقت کے ساتھ کچھ ضروری تبدیلیاں اور اساتذہ کی طلباء کے ساتھ نرم روی ذہنی مطابقت اور اداروں کو سائنسی لیبارٹریوں اور کمپیوٹر کی سہولیات بہم پہنچانا اہمیت کے حامل لوازمات ہیں۔

طلباء اپنے دن کا زیادہ حصہ اساتذہ کے ساتھ اور سکول کالج کے ماحول میں گزارتے ہیں اس لیے تعلیمی عمل کو ان تمام ہتھیاروں سے لیس ہونا چاہیے جن کی ضرورت طلباء کی کردار سازی میں ہوسکتی ہے۔ ضروری ہے کہ اساتذہ اور والدین کے درمیان رابطہ رہے۔ گاہے بگاہے بچے کے مسائل اور دلچسپیوں پر بات ہوتی رہے۔ یہ نقطہ پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ تعلیم کا مقصد صرف پڑھے لکھے افراد پیدا کرنا نہیں بلکہ سلجھے ہوئے اور فعال شہری بنانا ہے۔ جو کم وسائل

سے زیادہ کام کرسکیں۔ جو اپنی تہذیب وثقافت سے پوری طرح آگاہ ہوں جو اپنے آباء کے تاریخی کارناموں سے واقف ہوں۔ جن میں جذبۂ حب الوطنی اور مذہب وملت کا شعور ہو۔ تعلیم اسی وقت کردار سازی کے سانچے میں ڈھل سکتی ہے جب تعلیم کو تربیت سے باہم مربوط کیا جائے۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

طلباء کے ذہن نرم مٹی کی مانند ہوتے ہیں ان پہ جو نقش کیا جائے گا وہی ثبت ہوجائے گا۔ تعلیمی عمل کو کردار سازی جیسے اہم ترین کام سے جوڑنے کے لیے ہر لمحہ ہوشیار رہنا پڑے گا۔ دنیا کے تناظر پر نظر رکھنا اور اساتذہ کو گاہے بگاہے جدید تعلیمی، نصابی اور غیر نصابی تربیتی کورسز کروانا بھی ضروری ہیں تاکہ نئی چیزیں سیکھی جائیں، دوسرے اداروں کے اساتذہ سے مل کر خود احتسابی کے عمل سے گزریں اور اپنے کام کو بہتر سے بہتر بنائیں۔ اس کے علاوہ تعلیمی اداروں میں تہذیب پروری اور ڈسپلن کو فروغ دیا جائے۔ تعلیم کو عام اور خاص بنانے والے اساتذہ اور انتظامیہ پر کڑی نظر رکھی جائے۔ تربیت میں ذرا سی سستی بھی ساری کارکردگی کی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ بول چال میں لحاظ ومروت۔ طلباء کو ہر لحہ چست رکھنا۔ نصابی اور غیر نصابی مشقوں میں مصروف رکھنا اور تعمیری کاموں میں لگائے رکھنا۔ دوستوں اور گروپ بندیوں سے بچانا، اداروں کو نشہ آور اشیا سے یقینی طور پر محفوظ رکھنا ہی اصل تربیت ہے۔ ان تمام نقاط کا باریک بینی سے جائزہ لیتے رہیں یہی ایک صورت ہے کہ تعلیمی عمل کردار سازی سے ہم آہنگ ہوسکے اور فعال افراد پیدا ہوسکیں۔

اخبارات اور ٹی وی معلومات کا ذریعہ

پاکستان، جدید تاثر، نئی نسل کی ذمہ داریاں

الطاف احمد خان

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

محبت مجھے اُن جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

اقبال نے جس مملکت کا خواب دیکھا تھا وہ ہر اعتبار سے ایک مکمل ریاست ہے چاروں موسم، معادنیات، سمندر، وافر دھوپ، تیز ہوائیں، میدان، کہسار، بلند و بالا پہاڑ، ریگستان اور وہ سب کچھ ہے جس کی تمنا کی جاتی ہے پھر سب سے بڑھ کر اس کا شمار دنیا کے ان پانچ ممالک میں ہوتا ہے جہاں آبادی کی اکثریت ۱۵ سے ۲۵ برس کی ہے عالمی جریدے ''فوربز'' نے تیس برس سے کم عمر کے ۳۰ افراد کی ایک فہرست جاری کی تو اس میں چھ پاکستانی لڑکے اور لڑکیاں شامل تھیں ایک طرف مایوس عناصر ہیں جو ترقی معکوس کا پروپیگنڈا کرتے نہیں تھکتے دوسری سمت یورپ اور امریکہ کی شخصیات ہیں جو پاکستانیوں کی ذہانت، فطامت اور خوش لباس و دیدہ زیبی کی تعریف کرتی ہیں۔ معیشت، موسیقی، تعلیم، آرٹ، صحت، ایجادات اور دیگر شعبوں میں رجائیت پسندی کا مظاہرہ کیا جائے تو پاکستانی نوجوانوں نے محیر العقول کارنامے بھی انجام دیئے ہیں جنہیں عالمی سطح پر سراہا گیا پاکستانی نژاد فرانسیسی فیشن ڈیزائنر محمود سے لے کر ملالہ یوسف زئی تک ایک طویل فہرست ہے جن کی کامیابی حیرت و استعجاب میں مبتلا کرتی ہیں ان ہی کارناموں نے فوربز میگزین کو مجبور کیا کہ ۳۰ برس اور اس سے کم عمر والے افراد کی فہرست میں چھ پاکستانیوں کو بھی شامل کرے۔

پاکستان میں ایسے نوجوانوں کی کثیر تعداد پائی جاتی ہے جو اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر تبدیلی لا سکتے ہیں لیکن سرکاری سطح پر ان کی ماضی میں حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی تھی لیکن موجودہ حکومت نے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کیا اور ان کی صلاحیتوں کو جلا بخشنے کے لئے عملی اقدامات کئے ہیں ترقی پذیر ممالک میں عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کہ ٹیلنٹ کو پروان چڑھانے کی خاطر خواہ یا وافر مواقع میسر نہیں آتے جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں باقاعدہ سرکاری سطح پر اہتمام کیا جاتا ہے کہ بہتر صلاحیتوں والے نوعمر بچوں اور بچیوں تک کو سہولتیں فراہم کر کے ان کے پسندیدہ شعبوں میں آگے بڑھایا جائے۔

وزارت اطلاعات و نشریات قابل مبارکباد ہے کہ اس نے نوجوانوں کو فعال بنانے کے لئے اپنا مؤثر کردار ادا کرنے کی حکمت عملی وضع کی ہے اور وہ کوشاں ہے کہ نوجوانوں کے مسائل کا حل تلاش کرے انہیں آگے بڑھنے میں معاونت دے، بے روزگاری کے خاتمے میں حکومتی کوششوں کو کامیاب بنائے اور تعلیم کے شعبے میں اصلاحات لائی جائیں آج کا عہد جدید ٹیکنالوجی کا ہے آئی ٹی کے دور میں جب دنیا گلوبل ولیج بن چکی ہے فنون لطیفہ، کھیلوں اور ثقافتی سرگرمیوں کے ذریعے بھی نوجوانوں کی صلاحیتوں کو اُجاگر کیا جا سکتا ہے جبکہ سماجی ترقی کے لئے پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا بھی اپنا کردار بڑھا سکتا ہے تاکہ اپنی پسند کے شعبوں میں نوجوانوں کو آگے بڑھایا جا سکے۔

وفاقی حکومت نے اپنی سرگرمیوں کو آگے بڑھانے اور نوجوانوں کا معاشرتی کردار بڑھانے کے لئے ملکی تاریخ میں پہلی بار یوتھ کونسل قائم کی ہے اس طرح نوجوانوں کو قومی فیصلہ سازی میں شراکت دار بنایا جا رہا ہے کونسل کا ایجنڈا نوجوانوں کی ترقی ہے وزیراعظم عمران خان اس کے سرپرست اعلیٰ اور ان کے معاون خصوصی عثمان ڈار چیئرمین ہیں کھیل، تعلیم، مذہب، معیشت اور

آرٹس و کلچر سے وابستہ اہم شخصیات کو اس کی ممبر شپ دی گئی ہے اور بہادری کی تاریخ رقم کرنے والے مسلح افواج کے جوان بھی کونسل کا حصہ ہوں گے یوتھ کونسل کا آئیڈیا اپنی ہیئت ترکیب کے اعتبار سے منفرد اور اچھوتا ہے جس کا حکومت نے بروقت ادراک کیا ہے اور وزارت اطلاعات ونشریات جس عظیم مشن کی تکمیل کے لئے کوشاں ہے اس میں نوجوانوں کی کردار سازی درپیش مسائل کے چیلنجز سے نمٹنے کے لئے تجاویز مرتب اور حل تلاش کر رہی ہے وہ بھی اپنی نوع کا ایک منفرد اور مثالی اقدام ہے۔

کو اچھے مواقع ملیں تو یہ افرادی قوت ایسی تبدیلی لا سکتی ہے جو اس ملک کی کایا پلٹ دے گی ان تیرہ کروڑ نوجوانوں کو سامنے رکھ کر ملکی معاشی اور اقتصادی پالیسیاں وضع کی جانی چاہئے اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ میں مذکور تھا کہ پاکستان میں ہر سال تین سے چار لاکھ طلباء ماسٹر کی ڈگری لے کر یونیورسٹیوں سے فارغ التحصیل ہوتے ہیں سوال معاشی مستقبل کا ہے؟ بے روزگاری کا عفریت اسی لئے بڑھتا جا رہا ہے کہ سرکاری اور نجی اداروں میں سالانہ نوکریاں میسر نہیں ہیں۔نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد بیرون ملک بھی رزق تلاش کرتی

عہد حاضر میں پاکستانی نوجوانوں کا سب سے بڑا مسئلہ ان کی درست رہنمائی ہے بدقسمتی سے ہمارے یہاں کیریئر کونسلنگ کو وہ اہمیت میسر نہیں جو ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ملکوں میں حاصل ہے شہروں کی حد تک کچھ ادارے اور شخصیات ضرور موجود ہیں لیکن غالب اکثریت والے دیہات میں ایسا کچھ نہیں جدید ٹیکنالوجی نے روایتی تعلیم اور روزگار کے انداز کو تبدیل کیا ہے بہت سے ایسے شعبے جو دس بیس برس قبل اہم گردانے جاتے تھے آج معدوم ہو چکے ہیں اور اس طرح مجموعی ملکی آبادی کا ۶۲ فیصد حصہ جو نوجوان ہیں اور ۱۳ کروڑ ہیں ان

ہے لیکن وہاں بھی کوئی قابل شرکت مواقع میسر نہیں۔

''پھر کیا کیا جائے؟'' یہ اہم سوال ہے اور اس کا واحد جواب یہ ہے کہ نوجوان کاروبار شروع کریں ہنرمند بنیں اور جدید ٹیکنالوجی کا سہارا لیں غریب پیدا ہونا جرم نہیں بدنصیبی یہ ہے کہ دنیا سے غریب ہوتے ہوئے رخصت ہوں حکومت نے انتہائی مشکل حالات کے باوجود نوجوانوں کی رہنمائی کے لیے کونسل کی تشکیل سمیت اہم فیصلے کئے ہیں دنیا بہت تیزی سے ترقی کر رہی ہے اعلیٰ تعلیم کی فراہمی اور بے روزگاری کا خاتمہ ہر حکومت کی طرح پاکستان کی

حکومت کی بھی ترجیح ہے نوجوان تاریخ سے سبق سیکھیں وہ وزارت اطلاعات و نشریات یا وفاقی حکومت سے رہنمائی ضرور لیں لیکن ان کے علم میں ہونا چاہیے کہ صنعتی انقلاب سے قبل یورپ میں غربت و بے روزگاری عام تھی آج کے پاکستان کی حالت صنعتی انقلاب سے قبل کے یورپ سے مماثلت رکھتی ہے تاریخ میں نوجوانوں کا کردار ہمیشہ سے اہم رہا ہے ۱۷۷۰ء سے ۱۸۷۰ء کے درمیانی عرصے میں وہاں آبادی کا طوفان آیا نتیجتاً مسائل بھی بڑھے وسائل کی کمی نے معاملات کو بگاڑا اخلاقی بگاڑ کے ساتھ ساتھ بے روزگاری کی شرح میں اضافے نے سرمایہ دار طبقے کو مضبوط کیا جو انتہائی کم معاوضے پر روزگار مہیا کرتے تھے اس مرحلے پر بعض اذہان نے منصوبہ بندی کی اور جدید ٹیکنالوجی کو اپنانے کا سوچا ابتداء زراعت سے ہوئی سائنسی طریقے سے کھیتی باڑی نے بہترین رزلٹ دیا زرعی اجناس میں خود کفالت سے سستا اناج میسر آیا اور کپاس کی پیداوار بڑھی تو ٹیکسٹائل انڈسٹری کو فروغ ملا ذرائع آمدرفت کو صنعتی پیداوار کی ترسیل کے لئے بہتر بنانے کی حکمت عملی بنی تو ریلوے کے نظام کو اپنایا گیا مواصلات کا سسٹم فولاد کے کارخانوں کو وسیع کر گیا اور صنعتی انقلاب نے بے روزگاری کے خاتمے کی راہ ہموار کر دی ایسا صرف برطانیہ میں نہیں ہوا بلکہ جرمنی، بلجیم اور فرانس میں بھی صنعتی عمل کی ابتداء ہوئی برطانیہ کے ماہرین نے دیگر ممالک سے استفادہ کیا انہیں اچھی تنخواہوں اور مراعات کی پیش کش کی گئی تاریخی حقیقت یہ ہے کہ صنعتی انقلاب کا ایک پہلو نوجوانوں کو ملازمتیں نہ ملنا بھی تھا پاکستان کی صورتِ حال بھی کسی حد تک اس پہلو کا احاطہ کرتی ہے ماضی کی حکومتوں نے میرٹ کو نظر انداز کیا صنعتی عمل ٹھپ ہوا تو بے روزگاری بڑھی سرکاری شعبے میں بھرتی پر پابندی نے بھی معاملات کو ضائع کیا موجودہ حکومت نے لاکھوں گھروں کی تعمیر، ہنرمند پروگرام شروع کئے تو امید پیدا ہوئی کہ صورتِ حال تیزی سے تبدیل ہوئی اس صورتِ حال میں تاریخ کو سمجھنے اور مطالعے کی ضرورت ہے صلاحیتوں کا مثبت استعمال اور وقت و حالات کی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر فیصلے کئے جائیں زندگی ایک میدان ہے اس میں آپ کو اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کر کے خود کو منوانا پڑے گا اور یہ کچھ زیادہ مشکل بھی نہیں وقت کی قدر کیجئے کہ یہ گزر جائے تو پھر واپس نہیں آتا۔

سال گذشتہ اقوام متحدہ نے ایک منصوبہ Safe Spaces for Youth شروع کیا تھا۔ نوجوانوں کے لئے محفوظ مقامات یا جگہوں سے مراد ایسی جامعات، ادارے تھے جہاں وہ بحفاظت اکٹھے ہو سکیں، اپنی ضروریات مفادات سے متعلق سرگرمیوں میں شرکت کر سکیں اور فیصلہ سازی کے عمل کا حصہ بن سکیں آزادانہ طور پر اظہار خیال اور کھیلوں و تفریحی سرگرمیوں میں شرکت کا موقع ملے ورلڈ بنک کی ایک رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں ۲۰ کروڑ نوجوان اعلیٰ تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم ہیں یہ تعداد بیس برس قبل محض ۹ کروڑ تھی لیکن بعد کے برسوں میں تعلیم کی اہمیت اور افادیت بڑھی تو یہ تعداد دوگنا سے بھی زیادہ ہوگئی پاکستان کے تناظر میں آج کے نوجوان کو درپیش مسائل کا حل بھی تعلیم میں میسر ہے عہدِ حاضر کے مسائل ان کے حل کی تجاویز اور اقدامات پر وزارت اطلاعات و نشریات کی **کوششیں** لائق ستائش ہیں نوجوان کی فلاح و بہبود کے لئے سوچنا اور جرأت مندانہ فیصلے کرنا اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ موجودہ حکومت اور اس کے ذیلی ادارے چاہتے ہیں کہ بے روزگاری ختم ہو قوم ترقی کرے اور اس کا ٹیلنٹ ضائع نہ ہو۔

تعلیمی عمل میں کردار سازی کو اہمیت ملنا چاہیے اور **طلباء** پر واضح کیا جائے کہ معاشرے کی ترقی ان کی مثبت سوچ سے ہی ممکن ہے اور ذمہ داری اساتذہ پر بھی عائد ہوتی ہے اخبارات، ٹی وی اور الیکٹرانک و ڈیجیٹل میڈیا معلومات کے حصول کا ذریعہ ہیں یہ معلومات ہماری روایات اور اخلاقی اقدار کی عکاس ہوں تاکہ سوشل میڈیا کے محاذ پر بھی ہماری سوچ مثبت ہو۔

حرفِ آخر کہ تکنیکی اور فنی تعلیم ہمارا مطمع نظر ہونا چاہیے نوجوانوں کو درجنوں مسائل درپیش ہیں سب سے بڑا **مسئلہ** بے روزگاری ہے دوسرے نمبر پر ان کی مناسب رہنمائی کا فقدان ہے تیسرا مسئلہ بھی پہلے دو مسائل کا تسلسل ہے کہ وہ مایوسی کا شکار ہیں اچھی قیادت ملک و ملت کو بحرانوں سے نکالتی صلاحیت سے مالا مال ہوتی ہے اس کا وژن آنے والے زمانوں کی ضرورتوں کو دیکھ رہا ہوتا ہے اور یہی نکتہ وزارتِ اطلاعات و نشریات نے مسائل کے حل کے حوالے سے

تشخیص کیا ہے کہ پہلے مسائل کا ادراک ہو پھر ان کے حل کی درست سمت تلاش کی جائے اس کے لئے جنریشن گیپ کا خاتمہ بھی ضروری ہے نوجوان نسل، والدین اور اساتذہ اپنے مابین فاصلوں کو کم کریں ذہنی ہم آہنگی پیدا کریں اور اس کے لئے ایک دوسرے کو سمجھیں وزارتِ اطلاعات کو اس حوالے سے سیمینار، ورک شاپ اور موضوعاتی نشستیں منعقد کرنی چاہئیں ریڈیو، ٹی وی اور کم فاصلاتی ایف ایم ریڈیوز کے ذریعے اساتذہ، والدین اور نئی نسل میں مکالمے کو فروغ دیا جانا چاہئے فنی اور تکنیکی تعلیم کی جتنی ضرورت آج ہے اتنی کبھی نہ تھی اس لئے بھی کہ سرکاری و نجی اداروں میں روایتی تعلیم کے حامل نوجوانوں کو مزید کھپانا ممکن نہیں رہا۔ ڈیجیٹل عہد میں آئی ٹی کا فروغ وقت کی ضرورت بنتا جا رہا ہے نت نئے مواقع سامنے آ رہے ہیں وزارت اطلاعات بھی ذمہ داریوں کو اس حوالے سے مزید موثر بنا سکتی ہے کہ اس سوچ کے تحت تجاویز طلب کرنا بھی اس کا بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے وقت کے تقاضوں کو سمجھا اور ادراک کیا جس طرح نوجوانوں کے لئے فنی و تکنیکی تعلیم ضروری ہے اسی طرح اساتذہ کو بھی تعلیمی اور پیشہ وارانہ مہارت کے عہد جدید کا احساس کرتے ہوئے ایسا کردار ادا کرنا چاہیے اس کے لئے مطالعاتی دوروں اور دیگر ممالک و جامعات نیز دیگر اداروں سے اطلاعات و معلومات شیئر کرنے کا اہتمام بھی کرنا چاہئے فنون لطیفہ، کھیل اور سیاحت و ثقافت کے شعبوں میں صلاحیتوں کے حامل نوجوانوں کو آگے لایا جائے اور انہیں عالمی سطح پر متعارف کرایا جائے تاکہ پاکستان کا مثبت تشخص دنیا تک پہنچ سکے۔

چینی مفکر لاؤزی نے کہا تھا طویل سفر کا آغاز پہلے قدم سے ہوتا ہے اور یہ پہلا قدم منزل کو قریب کر دیتا ہے پاکستان درست سمت میں سفر کا آغاز کر چکا ہے ہمیں چاہیے ہم ملک کی خوبیاں سامنے لائیں اچھے امکانات و فعال

حکمتِ عملی کے ذریعے دنیا کے سامنے اُبھاریں کیونکہ کسی پروڈکٹ کا اسکینڈل بن جائے تو اس کی خریداری رُک جاتی ہے اور مقبولیت میں کمی آتی ہے پاکستان کی فوج، حکومت اور عوام ایک پیج پر ہیں یعنی پروڈکٹ بہتر ہوئی ہے اب برانڈ کا تاثر بہتر بنانا ہے انشاءاللہ یہ مرحلہ بھی سر ہو جائے گا صرف ہمیں نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ اپنے حصے کا کام اسی طرح کرنا ہے جس طرح وزارتِ اطلاعات و نشریات نے نوجوانوں کی کامیابی و بہتری کے لئے بیڑا اٹھایا ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

سوشل میڈیا اور نوجوانوں کا اخلاقی کردار

سوشل میڈیا کی افادیت اور اس کا مناسب استعمال

ڈاکٹر شاہدہ دلاور

انسان نے ہر دور میں اپنی ترقی کے نئے سے نئے جھنڈے گاڑے ہیں۔ بلاشبہ اکیسویں صدی میں سائنسدانوں سے لے کر عام آدمی تک، کچھ نیا کرنے کی تلاش میں ہے۔ تاریخ جب اکیسویں صدی کا تذکرہ کرے گی تو سرفہرست سوشل میڈیا کے استعمال کا ذکر ہوگا۔ کیوں کہ یہ اس دور کا اتنا بڑا انقلاب ہے کہ جسے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی ایجاد پہیے کی ایجاد سے کم نہیں ہے۔ سوشل میڈیا کا استعمال ہر اترنے والے نئے دن میں پہلے سے زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔ ایک ریڑھی بان سے لے کر سیاسی مفادات رکھنے والے لوگوں تک کوئی اس کے اثرات اور گرفت سے دور نہیں۔ یہ پیغام رسانی کا سب سے موثر ذریعہ ثابت ہوا ہے۔

سوشل میڈیا سے کبھی کبھار جہاں تھوڑا بہت انتشار پھیلنے کا امکان ہوتا ہے وہاں اس کی افادیت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ سوشل میڈیا نے پرنٹ میڈیا اور الیکٹرونک میڈیا سے آگے کی دنیا متعارف کرائی ہے۔ اگرچہ الیکٹرونک میڈیا کی توسیع ہی سوشل میڈیا ہے۔ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرونک میڈیا کو کنٹرول کرنا سوشل میڈیا کی نسبت قدرے آسان ہوتا ہے مگر موبائل فون اور سوشل میڈیا کو جلد گرفت میں لانا ناممکن ہے۔ سوشل میڈیا کے طوفان نے وقت کے بے کنار سمندر میں اپنا ڈول ڈالا اور اسے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ اب وقت انسان کے ہاتھ سے نکل کر سوشل میڈیا کی سمت جاسکتا ہے اگر بروقت اس کے صحیح استعمال کے لیے سدِباب نہ کیا گیا۔

سوشل میڈیا تھوڑے وقت میں ایک وبا کی طرح ساری دنیا میں پھیل گیا جس پر ہر کسی کی رسائی ممکن ہوگئی۔ یوٹیوب، ٹوئٹر، فیس بک، مائی اسپیس، ڈگ، انٹرنیٹ بلاگز، وٹس ایپ، روابط کی دیگر سائٹس اور ای میل سے لے کر میسنجر تک کی ہر سہولت سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ انفرادی طور پر ہر بندہ سوشل میڈیا پر، اپنی اپنی بساط کے مطابق اپنی 'عقلِ کل' کا اظہار فرماتا ہے تو اس کی کُلی بصیرت کی قلعی بھی کھل جاتی ہے۔ طلباء کا تعلق علم و ہنر سیکھنے سے ہوتا ہے لہٰذا ان کے لیے ضروری ہے کہ سوشل میڈیا پر سوچ سمجھ کر لکھیں۔ آپ کے لکھے ہوئے مثبت تبصرے کسی کی زندگی بدل بھی سکتے ہیں اور بعینہٖ اگر آپ منفی خیالات کا اظہار کریں گے تو اس سے نہ صرف وہ شخص متاثر ہوگا جس کے لیے لکھ رہے ہیں بلکہ اس سے آپ کی دوسروں کی نگاہ میں اپنی ساکھ پر بھی برے اثرات پڑ سکتے ہیں۔ مجھے یہ بات کرتے ہوئے کوئی عار نہیں کہ ہمارا ملک ترقی یافتہ ممالک کی صف سے ابھی بہت دور ہے۔ ابھی اسے بہت سا سفر طے کرنا ہے۔ ہمارے ہاں ابھی اس سماجی یا اخلاقی تربیت کا فقدان ہے جس نوعیت کی تہذیب و تربیت مغربی ممالک کے لوگوں کو میسر آ چکی ہے۔ ہمیں موجودہ مقابلے کی فضا میں سانس لینے کو ترقی کرنے کے بدیہی اور فوری اقدامات کرنے ہوں گے۔

طلباء کی پہلی ذمہ داری اور اخلاقی فرض ہے کہ وہ سوشل میڈیا کا مثبت استعمال کریں۔ اپنے زمانہ طالب علمی میں، سماجی میل جول کے لیے اسے زیادہ سے زیادہ اتنا ہی استعمال کریں جتنا ان کے لیے جائز اور مناسب ہے انہیں اس کی اصطلاحات اور ان کے درست استعمال سے واقفیت ہونی لازمی امر ہے۔ سوشل میڈیا پر ہر رنگ، نسل، علاقے، مذہب اور ہر قماش کے لوگ آباد ہو چکے ہیں۔ یہاں اپنی پسند کے لوگوں کو اپنی فرینڈ لسٹ میں شامل

اور ناپسندیدہ کو باہر کیا جا سکتا ہے۔ یہاں اپنے پیشے، مزاج اور ذوق کے لوگوں کو با آسانی تلاش کیا جا سکتا ہے۔ سوشل میڈیا کو جاننے کے لیے اس کی بنیادی اصطلاحات سے آگاہی بہت ضروری ہے جن میں سے چند ایک قابل ذکر ہیں۔ پوسٹ، فرینڈ، ٹائم لائن، لائیک، ٹیگ کرنا، شیئر کرنا، کمنٹس کرنا، ہیش ٹیگ، ٹویٹر، ٹویٹر کے فالوورز، ری ٹویٹ کرنا، ٹائم لائن، ڈی ایم، ٹرول، فیس بک، ہیش ٹیگ، پروفائل، فین، وال اور پرائیویسی جیسے الفاظ سے مانوس ہونا چاہیے۔

یہ حقیقت ہے کہ سوشل میڈیا سے فوری طور پر معلومات کا ایک بڑا ذخیرہ مل جاتا ہے اور جن علوم کے لیے ان کے پرکھوں کو شہر شہر اور ملکوں ملکوں لائبریریوں کی خاک چھاننا پڑتی، طلباء کو وہ کمپیوٹر کا ایک بٹن دبانے پر میسر ہو جاتا ہے۔ طلباء کو اپنی تعلیم پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے اور اگر ضرورت سے زیادہ وقت سوشل میڈیا پر صرف کریں گے تو ان کے کاندھوں پر جو تعلیم کے اصل فرائض ہیں ان سے کج ادائی برتنے کے واضح امکان پیدا ہو سکتے ہیں۔ سوشل میڈیا ایک بڑی گیم ہے اس سے بڑے بڑے ہی فائدے لینے چاہیں۔ اس کو معمولی استعمال کرنا اور غیر ضروری کاموں کے لیے استعمال کرنا محض اپنا اور ملک و قوم کا قیمتی وقت ضائع کرنے کے مصداق ہے۔ سوشل میڈیا سے آپ اپنے گھر میں بیٹھے ایک لمحے میں سات سمندر پار بات کر لیتے ہیں، انہیں دیکھ لیتے ہیں، ان کی ہر سرگرمی سے آگاہ ہو سکتے ہیں اور ان سے طویل المدتی تعلقات بنا سکتے ہیں۔ سوشل میڈیا پر لکھنا بہت حساس معاملہ ہوتا ہے۔ اس پر لکھی ہوئی آپ کی تحریر آپ کے نام سے آگے ہی آگے سفر کر سکتی ہے لہٰذا اس کے لیے باقاعدہ کسی حکمت عملی کے تحت اور بہت سوچ سمجھ کر لکھنا چاہیے۔ سوشل میڈیا کو شتر بے مہار کی طرح استعمال کرنے والے نامناسب اور عدم اخلاقی صورت حال کا شکار ہو سکتے ہیں۔ کچے ذہنوں کے لیئے سوشل میڈیا کا مواد خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ جہاں طلباء کو اپنی تعلیم اور مثبت سرگرمیوں کی سمت چلنا ہوگا وہاں والدین، معاشرہ اور ارباب اختیار پر بھی کچھ فرائض عائد ہیں۔ انہیں چاہیے کہ اپنی نسل کو سوشل میڈیا کے درست استعمال کی آگاہی کے لیے سینٹرز بنائیں، گھروں میں ان پر کڑی نگاہ رکھیں اور ان سے اس موضوع پر ڈائیلاگ کرتے رہیں۔ معصوم ذہنوں کی معصومیت بحال رکھنے کے لیے اس طرح کے اقدامات کیے جائیں کہ وہ اس کے منفی استعمال سے دور رہیں۔ آج ملک پاکستان میں غربت، بے روزگاری، لاقانونیت، موبائل فون اور سوشل میڈیا کے انقلاب کی یلغار ہے۔ ان تمام بے لگام گھوڑوں سے ہمیں اپنی معصوم پوت کو بچا کے رکھنا ہے۔

سوشل میڈیا ایک اچھی سہولت ہے سو اسے تعمیری کاموں کے لیے استعمال میں لانا چاہیے۔ سوشل میڈیا سے طلباء نہ صرف تعلیمی معاملات میں مدد لے سکتے ہیں بلکہ اس سے سماجی رابطے بڑھا کر اور اپنی قابلیت لوگوں تک پہنچا کر اپنی مرضی کی جاب بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ آن لائن انٹرویو سے طلباء اور کمپنی کے وقت اور سرمائے کی بچت ہوتی ہے۔ جو طلباء سوشل میڈیا کو معلومات، پیشہ وارانہ، ذاتی **شہرت** اور تجارتی کاموں کے لیے استعمال کریں گے وہی اس کے حقیقی فوائد سے لطف اندوز ہو سکیں گے۔ اپنے سامعین اور ناظرین سے اپنے روابط بڑھانے کے لیے نوجوانوں کے کاندھوں پر یہ ذمہ داری پڑتی ہے کہ وہ صحت بخش سوچ کا پھیلاو جاری رکھیں یوں وہ اپنے اخلاقی عمل کے ذریعے سے مواصلات اور ماحولیاتی نظام کو بہتر بنا کر تمام دنیا کی مثبت قوتوں کی حوصلہ شکنی کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ سوشل میڈیا ہر کسی کو برابر سہولیات سے ثمر وار کرتا ہے۔ طلباء اگر اپنی سوچ صحیح جانب مبذول کریں گے تو ذاتی تشہیر سے لے کر مالی و مادی ثمرات سے مستفید ہوں گے۔ ذہین و فطین طلباء اس بات سے واقف ہوتے ہیں کہ سوشل میڈیا کا استعمال یا محض اس کا شیدائی ہونا تب تک سود مند نہ ہوگا جب تک اس کے استعمال کے بعد پیدا ہونے والے اثرات سے آگاہی نہ ہوگی۔ سوشل میڈیا جہاں طلباء کے بہت سے مسائل پل بھر میں حل کر دیتا ہے وہاں یہ ان طلباء کے لیے مشکلات بھی کھڑی کر دیتا ہے جو اس کا غلط استعمال کرتے ہیں یا جو اس کے درست استعمال سے نابلد ہوتے ہیں۔ یہ ایک طرح کی برقی توانائی ہے جو بصری توانائی سے بے حساب برق رفتار ہے۔ اس لیے اس کی باریکیوں، اس کے صحیح استعمال اور استعمال کے بعد پیدا ہونے والی صورت حال سے واقفیت ضروری ہے۔ ذرا سی

لاپرواہی یا عدم توجہی آپ کو کائناتی بلندیوں سے زمینی اندھیروں میں لا پھینک سکتی ہے۔ یہ بھی دھیان میں رہے کہ سوشل میڈیا کوئی آسمانی صحیفہ نہیں، نہ کوئی نیچر کا کرشمہ ہے اور نہ ہی یہ کوئی غیبی طاقت ہے۔ یہ مکمل طور پر آدم کی ذہنی اختراع ہے۔ جہاں بھی کوئی چیز انسان نے ایجاد کی ہو وہاں غلطی کا امکان بہرصورت رہتا ہے۔ گوگل انتظامیہ اپنے عمل، سوشل میڈیا کی تیز رفتاری، اس کے محاسن و معائب سے واقف بھی ہے اور اس کی بہتری کے اقدامات بھی کرتی رہتی ہے۔ تاہم وہ اس کے غلط استعمال کنندگان کی حوصلہ شکنی سے کسی حد تک قاصر رہی ہے۔

گوگل انتظامیہ کو اس کے استعمال میں کسی بھی فرد کے بارے میں ادراک یا الہام نہیں ہوسکتا کہ وہ اچھا استعمال کنندہ بن سکتا ہے یا وہ اس کا غلط استعمال کر کے اپنا نقصان کرے گا۔ آج کے مصروف ترین اور تیز تر دور میں جس کسی کو بھی سوشل میڈیا کی شد مد کا علم ہے وہ با آسانی گوگل پلس کے عطا کردہ لامحدود وسائل سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ کچھ طلباء کو گوگل پر اپنے اکاؤنٹس بنانے اور کم وقت میں شہرت کی بلندوں پر پہنچنے کا شوق تو ہوتا ہے مگر یاد رہے کہ سوشل میڈیا جتنی تیزی سے عام انسانوں کی تشہیر میں مدد دیتا ہے اس سے زیادہ پھرتی سے اس کی شہرت کو مجروح بھی کر سکتا ہے۔ گوگل پلس اپنے استعمال کنندگان کو ملٹی پل وڈیوز، چٹ چیٹ، سرکلس، دل فریب خصوصیات کی حامل اطلاعات اور تحقیق کے بے پناہ مواقع مہیا کرتی ہے۔ طلباء کسی بھی عہد اور معاشرے کے لیے ریڑھ کی ہڈی ہوتے ہیں۔ سوشل میڈیا کے معاملے میں ان پر بھاری ذمے داری ہے کہ وہ اس کے مثبت استعمال کو فروغ دیں اور اپنے بعد آنے والوں کے لیے مثالی راستے ہموار کریں۔ اپنے جذبات کو اپنے قابو میں رکھیں اور دوسروں کے احساسات و جذبات کا احترام کریں۔ سوشل میڈیا پر بعض اوقات لوگ اپنے سیاسی مفادات کے لیے کوئی سلگتا ہوا موضوع چھیڑ دیتے ہیں۔ طلباء کو چاہیے کہ وہ اس طرح کی سیاست سے ممکنہ حد تک اجتناب کریں۔ سوشل میڈیا امکانات کی دنیا ہے جہاں پر لمحہ بہ لمحہ دنیا کی بدلتی صورت حال سے آگاہی ہوتی ہے وہاں یہ انسان پر معجزاتی انکشافات کی بارش بھی کرتا ہے۔ سوشل میڈیا نے اس وقت ساری دنیا کے نوجوان جو بھی اس کا استعمال کرتے ہیں ان کو اپنی لپیٹ اور پہنچ میں رکھا ہوا ہے۔ یہاں سے وہی طالب علم شربار ہوگا جو اس کا درست استعمال کر کے اپنی علمی پیاس بجھائے گا۔

مصنوعی ذہانت اور کمپیوٹر کی شاعری

ڈاکٹر غافر شہزاد

ادبی حلقوں میں یہ گفتگو وقفے وقفے سے ہوتی رہتی ہے کہ آنے والے وقت میں کمپیوٹر شاعری کرے گا۔ مگر یہ گفتگو ہمیشہ اس اعتماد کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکے گا؟ اس لیے کہ کمپیوٹر تو صرف وہی کچھ کر سکتا ہے جو اسے کمانڈ دی جاتی ہے۔ اس کا دائرہ کار اور دائرہ اختیار دونوں ہی اس کی میموری تک محدود ہیں۔ مگر جب سے مصنوعی ذہانت (آرٹی فیشل انٹیلی جینس) کی اصطلاح متعارف ہوئی ہے، کمپیوٹر کی فعالیت نے تخلیقی حدود میں قدم رکھنا شروع کر دیا ہے۔ تخلیق کے حوالے سے مختلف زمانوں میں مختلف نظریات رہے ہیں۔ ابتدا سے لے کر ہی تخلیقی عمل کو آسمانی قوتوں کے ساتھ جوڑا جاتا رہا ہے۔ تخلیق کا تعلق الہام سے ہو یا وجدان سے، دونوں صورتوں میں اس پر تخلیق کار کا کنٹرول نہیں دکھایا جاتا بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ تخلیق کے لمحے کو گرفت کرنا یا اس کے حوالے سے اس وقت کی ذہنی کیفیت یا تخلیقی تجربے کو بیان کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ جب سے کائنات اور انسان کی تخلیق کو ایک بالاقوت کے ساتھ جوڑا گیا ہے، تخلیقی عمل اور بھی پیچیدہ اور قدرے مشکل سے سمجھ میں آنے لگا ہے۔ شاعروں کا دعویٰ یہی ہے کہ انہیں بھی الہام ہوتا ہے اور ایک وجدانی کیفیت میں وہ تخلیقی عمل سے گزرتے ہیں۔ اس کے لیے دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ بعض اوقات وہ تسلسل سے شاعری کر لیتے ہیں مگر بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ باوجود کوشش کے بھی ایک شعر نہیں ہو پاتا۔ ایسا ہی دعویٰ افسانہ نگاروں کا بھی ہے۔ تنقید کو چونکہ تخلیق سے کمتر درجہ دیا جاتا ہے اس لیے تنقید نگاروں کے ایسے کسی دعویٰ کو کوئی ماننے کے لیے تیار نظر نہیں آتا۔ دوسری جانب یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر لکھنے والے کو اظہار پر اختیار ہے تو وہ جب چاہے تخلیقی عمل سے گزر سکتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ تخلیق کار کوئی افسانہ لکھ رہا ہوتا ہے، درمیان میں کسی مصروفیت کے سبب اسے افسانہ ادھورا چھوڑنا پڑتا ہے مگر جب اسے فرصت ملتی ہے وہ ذہنی یکسوئی حاصل کر کے افسانے کو وہیں سے شروع کر لیتا ہے جہاں سے تخلیقی اظہار کا سلسلہ ٹوٹا تھا۔ یہ تجربے اور تخلیقی اظہار کی قوت پر منحصر ہے ورنہ تو اس بات پر اکثریت متفق ہے کہ اگر ایک بار تسلسل ٹوٹ جائے تو دوبارہ وہاں سے شروع ہی نہیں ہو سکتا۔ گویا تخلیقی اظہار اپنی جگہ اور اظہار کے لیے گرفت اپنی جگہ، یہاں یہ بھی دعویٰ کیا جاتا ہے کہ مشقت اور مسلسل محنت کا عمل تخلیقی اظہار میں ایک **صناعی** پیدا کر دیتا ہے جو فن پارے کی لطافت کو مجروح کرتی ہے۔ اب اگر تخلیق کے اس عمل کو کمپیوٹر کے تناظر میں دیکھا جائے تو اظہار کی وجدانی صفت پر یقین رکھنے والے ایک بے جان مشین کی مدد سے کسی بھی طرح کے تخلیقی عمل کو ماننے کے لیے ہرگز تیار نہ ہوں گے۔

دوسری جانب، اکیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں یہ بات اپنی پوری صداقت کے ساتھ ہمارے سامنے ہے کہ اس وقت کمپیوٹر کی مدد سے تیار کیا جانے والا روبوٹ انسانی جسم میں نہایت ہی پیچیدہ قسم کے آپریشن سو فیصد کامیابی کے ساتھ کرنے کی اہلیت حاصل کر چکا ہے۔ انسان کتنی ہی مہارت کیوں نہ حاصل کر لے، اس کی کاملیت اس حد تک نہیں پہنچ سکتی کہ وہ مشین کی طرح سو فیصد ایک جیسی اشیاء بناتا چلا جائے۔ روایتی انداز میں کوئی بھی چیز تیار کرنے کا طریقہ کار اگرچہ تخلیقی کہلاتا ہے مگر ہاتھوں سے بنایا جانے والا ہر جوتا دوسرے سے کہیں نہ کہیں الگ اور مختلف ہوگا جب کہ اس کے مقابلے میں

جب کوئی مشین جوتے تیار کرتی ہے تو ان میں ایسا فرق یا امتیاز پیدا نہیں ہوتا۔ تو گویا انسانی مہارت یہی ہے کہ وہ ایک جیسی اشیا کی تخلیق پر قدرت رکھتا ہو، یہ کام تو مشین زیادہ سہولت سے کر سکتی ہے۔ کمپیوٹر کی مدد سے آپ بغیر کسی مہارت کے کوئی بھی لفظ یا حرف اگر ایک ہزار بار لکھیں گے تو وہ سو فیصد ایک جیسا ہوگا اس کے برعکس اگر کوئی خطاط کچھ لکھنے بیٹھے گا تو ہر بار لکھے جانے والے لفظ میں کچھ نہ کچھ نیا یا پہلے والے لفظ سے الگ ہو جائے گا، اس کا اندازہ بھی کسی مشین سے ہی لگایا جا سکتا ہے۔ انسانی آنکھ کو ایسی مہارت حاصل کرنے کے لیے بہت مشق کرنی پڑتی ہے۔

تخلیقی عمل کے حوالے سے اب تک جتنے نظریات بھی پیش کیے جاتے رہے ہیں، ان میں تخلیق کو کسی نہ کسی سطح پر وجدان یا الہام کے ساتھ جوڑا جاتا رہا ہے۔ یونانی مفکرین تو تخلیقی عمل کو نقل کے ساتھ جوڑتے ہیں۔ فوٹو اسٹیٹ مشین کی ایجاد کے بعد تو بجا طور پر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ''نقل اصل سے بہتر ہے''۔ اس تخلیقی کاملیت نے پرانے تخلیقی نظریے کو منہدم کر دیا ہے۔ ایک حد تک تو یہ بات درست ہے مگر یہ جو ایک یہودی نژاد، اسرائیلی تینتالیس سالہ مورخ پروفیسر یوال نواح حراری نے اپنی بیسٹ سیلر کتابوں میں آنے والے وقت میں کمپیوٹر کے فعال اور تخلیقی کردار کی نشاندہی کی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کمپیوٹر کی مدد سے اب صرف ''دو جمع دو چار'' اور ''جواب درست ہے'' تک ہی معاملات نہیں نمٹائے جائیں گے، بلکہ بات اس سے کہیں آگے نکل چکی ہے۔ پروفیسر حراری نے یوں تو کئی کتابیں لکھی ہیں مگر اس کی تین کتابوں کو بیسٹ سیلر مانا جاتا ہے۔ پہلی کتاب Sepian-History of Mankind ہے، جس میں انسانی زندگی کی ۷۵۰۰ سالہ تاریخ کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کی اشاعت ۲۰۱۴ء میں ہوئی۔ دوسری کتاب Homo Deus ہے جو ۲۰۱۶ء میں شائع ہوئی۔ اس میں انسانی زندگی کے مستقبل کے تناظر کو پیش کیا گیا ہے۔ تیسری کتاب 21 Lessons for 21st Century ہے جو ۲۰۱۸ء میں شائع ہوئی۔ ان کتابوں میں پروفیسر حراری نے ایک جانب انسانی زندگی کے ماضی اور مستقبل کی صورت حال کے بارے میں قیاس آرائی کی ہے اور ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ مورخ کا کام پیشن گوئی ہرگز نہیں، ہاں وہ صورت حال کی پیش کش کر سکتا ہے جو حقیقت کے قریب ہو۔ پروفیسر اپنی ان کتابوں میں جمہوریت اور آزادی خواہش کی سخت مخالفت کرتے ہوئے انہیں انسان کو دیا جانے والا بھیانک فریب قرار دیتا ہے۔ وہ اب تک

کی بیان کی گئی صورت حال، مذاہب کی تمام باتوں کو کہانیاں قرار دیتا ہے کہ جن کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ خدا اور کائنات کے حوالے سے جتنے نظریات پیش کیے گئے، انہیں وہ بنائی ہوئی کہانیاں مانتا ہے جن میں کوئی صداقت نہیں۔ مگر کمپیوٹر اور سائنس کے ایسے علم کو جسے ثابت کیا جاسکتا ہے، اسے سچائی تسلیم کرتا ہے۔ اس سچائی کو جاننے اور ثابت کرنے کے لیے پروفیسر حراری Algorithm کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ ایلگوردم کی

اصطلاح پہلی بار تیرہویں صدی کے وسط میں الخوارزمی نے استعمال کی تھی۔ الخوارزمی کا نقطہ نظر ہے کہ حساب میں صرف کلیے اور مساواتیں ہی تمام عقدوں کا حل پیش نہیں کرتیں۔ کچھ سوالات اور الجھنیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کے لیے ہمیں ایک باقاعدہ عمل میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اور ہر بار نئے عقدے کو حل کرنے کے لیے جو پراسس اختیار کیا جاتا ہے، اس کے کئی ابعاد بنتے ہیں اور اس میں کچھ نہ کچھ نیا ہو جاتا ہے۔ پروفیسر حراری کا یہ بھی خیال ہے کہ کمپیوٹر کی مدد سے ہمیں کسی بھی خطرناک بیماری جو جسم میں پوشیدہ ہوتی ہے، اس کے آغاز کے ساتھ ہی اس کے بارے میں علم ہو جائے گا اور اس بیماری یا کینسر کا بروقت علاج انسانی زندگی کو عذاب اور اذیت سے محفوظ رکھ پائے گا۔ مگر یہ تب ہی ممکن ہے کہ جب انسان کے جسم کا مکمل ڈیٹا کسی بڑے فعال کمپیوٹر میں محفوظ ہو گا اور ماہرین کی رسائی اس ڈیٹا تک ممکن ہو گی۔

پروفیسر حراری خاص طور پر فیس بک کی مثال دیتے ہیں کہ جب کوئی بھی شخص فیس بک **استعمال** کر رہا ہو تو فیس بک اس شخص کا سارا ڈیٹا محفوظ کر رہا ہوتا ہے۔ ڈیٹا چونکہ کہ اس شخص کے اپنے ذاتی اکاؤنٹ کے تحت جمع ہو رہا ہوتا ہے، اس لیے وہ ڈیٹا صرف اسی شخص کے تشخص اور اس کی انفرادی پہچان کا سبب بنتا ہے۔ یہ بات اس لیے بھی درست لگتی ہے کہ جب آپ فیس بک کی طرف سے پیش کردہ کسی ایسی پیشکش پر کلک کرتے ہیں جو آپ کی شخصیت کے حوالے سے قیاس آرائی کرتی ہے تو بعض اوقات رزلٹ حیران کن ہوتے ہیں۔ آپ اپنی شخصیت کے اس جوہر کو یوں سامنے پا کر ششدر رہ جاتے ہیں اور سوچتے ہیں، فیس بک اکاؤنٹ کی اس پیشکش کو میرے بارے میں یہ کیسے معلوم ہو گیا؟

اگر آپ کمپیوٹر اور اس کے استعمال سے شناسا ہیں اور کمپیوٹر کے کام کے طریقہ کار کو سمجھتے ہیں تو اس کی اس مصنوعی ذہانت کی اہلیت کو سمجھنے میں آپ کو زیادہ دشواری نہیں ہونی چاہئے۔ دراصل ہوتا یوں ہے کہ جب آپ فیس

بک اکاؤنٹ میں اپنے دوستوں کی ایک فہرست بناتے ہیں تو آپ دراصل ایک ایسی کمیونٹی تشکیل دیتے ہیں جس کے ارکان کسی نہ کسی سطح پر، اشتراکات کے سبب ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں۔ اُن کی سرگرمیاں اور پسند ناپسند، ذوق جمالیات، معاشی، سیاسی یا سماجی معاملات میں کہیں نہ کہیں اشتراکات ہوتے ہیں جن کا تجزیہ کر لینا فیس بک کے ڈیٹا بینک کے لیے نہایت معمولی نوعیت کا کام ہے۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ اگر آپ شاعر ہیں تو

آپ کے فیس بک اکاؤنٹ میں اکثریت شاعروں اور باذوق ناظرین کی ہوگی۔ شعر کہنا، اسے اپ لوڈ کرنا، اس پر اپنی رائے کا اظہار کرنا، اس تنقیدی نشست میں حصہ لینا جو شعرا کے گروپ اکثر برپا کرتے رہتے ہیں، یہ تمام سرگرمیاں فیس بک کے ڈیٹا بینک میں آپ کے ایسے تمام کلک محفوظ کرتے رہتے ہیں۔ اگر ایک ایسا ڈیٹا بینک بنا دیا جائے جس میں اردو شاعری کی تمام بحور، اوزان، زحاف، ردیف قافیے، موضوعات کے تحت اشعار محفوظ کر دیے گئے ہوں تو کمپیوٹر کی مصنوعی ذہانت کے لیے آپ کی پسند ناپسند اور ذوقِ جمالیات کے مطابق شاعری کرنا ناممکنات میں سے نہیں ہوگا۔ آپ کے منتخب موضوع پر ممکنہ مصرعے کمپیوٹر آپ کے سامنے وزن اور بحر میں لا رکھے گا، آپ نے اس میں سے بہتر منتخب کرنا ہوگا اور اس میں جو بہترین ہوگا، اس کی جانب بھی کمپیوٹر اشارہ کرے گا۔ اب یہ آپ کی مرضی ہے کہ اس میں سے کون سا مصرع آپ رکھتے ہیں اور باقی قلم زد کر دیتے ہیں۔ وزیر آغا نے تو پہلے ہی ہماری کلاسیکی شاعری کے موضوعات کی درجہ بندی ''اردو شاعری کا مزاج'' میں کر دی تھی، اس وقت لگتا تھا کہ جیسے یہ کوئی میکانکی کام ہے مگر حقیقت میں وہ درجہ بندی درست تھی جس سے ثقہ نقادوں نے بھی اختلاف کی جرات نہیں کی۔ ایک بڑے اسکیل پر زبان کی ایسی تمام معلومات کمپیوٹر کے ڈیٹا بینک میں محفوظ کر دی جائیں جو آپ کے فیس بک اکاؤنٹ سے انسلاک رکھتا ہو تو آپ کے مزاج کے مطابق کمپیوٹر کی ایپ (ایپلی کیشن) کی مدد سے شاعری کرنا اور وہ بھی ایسی کہ جس میں آپ کا ذوق جمالیات اور زندگی کے بارے میں نقطہ نظر بھی جھلکتا ہو، کوئی ناممکنات میں سے نہیں ہے۔ پروفیسر حراری اگر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آنے والے وقت میں ڈاکٹر اور وکیل و جج صاحبان کا کردار کمپیوٹر سنبھال لے گا تو کوئی وجہ نہیں کہ تخلیقِ شعر کمپیوٹر نہ کر سکے؟

آج کے نوجوان کو درپیش مسائل تجاویز اور حل

نوجوانوں کے مسائل، وجوہات اور قابلِ عمل اقدامات

ثمینہ نورین

نوجوان نسل کسی بھی قوم کا قیمتی سرمایہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نوجوانوں کی تعلیم و تربیت پر بھرپور توجہ اور سرمایہ کاری کی جاتی ہے۔ کیونکہ انہی سے خاندان اور معاشرے کی توقعات وابستہ ہوتی ہیں۔ والدین انہیں اپنی خواہشات کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں کبھی کبھار یہ خواہش اتنی شدید ہو جاتی ہے کہ اس میں نوجوان کی اپنی خواہشات کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔ اس صورتحال میں بہت کم بچے اپنے والدین کی خواہشات کا احترام اور تکمیل کر پاتے ہیں جبکہ کثیر تعداد اپنے راستے سے بھٹک جاتے ہیں۔ ان کا حال آدھے تیتر آدھے بٹیر والا ہو جاتا ہے۔ اور وہ جو والدین کی مرضی اور خواہش کی تکمیل میں اپنے مستقبل کا فیصلہ کرتے ہیں کبھی بھی اپنی زندگی اور اپنے شعبے سے اخلاص نہیں برت پاتے۔ وقت نے بہت تیز رفتاری سے ترقی کی۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی کمپیوٹر کی تحقیق نئے زمانوں کی تسخیر کی طرف گامزن ہے۔ نوجوانوں کو بے پناہ چیلنجز کا سامنا ہے جبکہ وسائل، طریقۂ تعلیم اور پڑھ لکھ جانے کے بعد روزگار کی تلاش اپنی جگہ بہت بڑے مسائل ہیں۔

ہمارے ملک میں تین طرح کے طبقات ہیں۔ جن میں اپر کلاس، مڈل کلاس اور لوئر مڈل کلاس۔ مسلسل کوشش اور نت نئی جہتوں پر کام کرنے، اصطلاحات کے نفاذ کے باوجود اس طبقاتی فرق کو کم نہیں کیا جا سکا۔ نوجوان نسل زندگی کے آغاز سے ہی اضطراب کا شکار ہو جاتی ہے اپر کلاس کے بچے ہوش سنبھالتے ہی اپنے معاشی نظام کی سمجھ آتے ہی اس آسودگی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ زندگی گزارنے کے لیے بہت کچھ ہے انہیں کوئی خاص کردار ادا نہیں کرنا۔ دوسری اہم بات کہ وہ خود کو دوسروں سے بہت بہتر انسان سمجھنے کے خبط میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جو ان کی اخلاقی پستی اور دلی قویٰ کے ناکارہ ہونے کی وجہ بنتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں انہیں صرف خوش باش زندگی گزارنے، میسر سہولتوں سے مستفید ہونے اور مزے کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے گویا انہوں نے پیدا ہو کر اپنی نسلوں اور ملک و ملت پہ احسان کیا۔ یہی سوچ ان کے اخلاق و کردار کا حصہ بن جاتی ہے اور وہ دوسروں کو حقیر گردانتے ہوئے اپنی زندگی اور شناخت کا مقصد بھی بھول بیٹھتے ہیں۔ یہ سوچ انہیں کبھی بھی اچھا یا محنتی طالب علم نہیں بننے دیتی۔ وہ پیسے لٹانے اور ہر ممکن عیاشی میں لگ کر اپنے لیے کسی منزل کا تعین نہیں کر پاتے اور سونے پہ سہاگہ ان کے والدین بھی انہیں یہی باور کراتے ہیں کہ صرف ڈگری لے لو باقی ہم دیکھ لیں گے۔ اس کلاس کے نوجوان مڈل کلاس کے نوجوانوں کے لیے ذہنی مسائل پیدا کرتے ہیں جب وہ محدود وسائل کے باوجود بہترین تعلیمی نتائج کے حامل ہو کر بھی ان امیر زادوں سے پیچھے رہ جاتے ہیں تو یہ تفریق یہ معاشرتی تضاد ان کے ذہنی بگاڑ کی وجہ بنتا ہے۔ اور خود اعتمادی کو منتشر کر دیتا ہے۔ ان کے مستقبل کے سہانے خواب جن کے ساتھ ان کے گھر والوں کی امیدیں اور توقعات بھی

جڑی ہوتی ہیں سب ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں۔ پڑھ لکھ کر اور اچھے مستقبل کے خواب دیکھنے کے بعد مڈل کلاس نوجوانوں کو جب عملی زندگی میں ناکامی اور مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ نہ صرف خود ٹوٹتے ہیں اپنے ساتھ جڑی امیدوں اور محبتوں کو بھی نہیں سنبھال پاتے۔ ان کا اب کم پہ گزارا مشکل ہو جاتا ہے وہ پڑھے لکھے ہو کر خود کو کسی کاروبار یا محنت مزدوری کی طرف آمادہ نہیں کر پاتے۔ بے روزگاری ایک سنگین مسئلہ ہے جس کی بڑی وجہ یہ ہے ٹیکنیکل اور فنی تعلیم کو فروغ نہیں دیا جاتا۔ اور ویسے بھی والدین کے پاس جو جمع

پونجی تھی وہ ان کی تعلیم پہ خرچ کر چکے ہوتے ہیں۔ اب وہ ان کو کاروبار کے لیے پیسہ نہیں دے سکتے۔

یہ بیروزگار اور منتشر ذہن نوجوان نسل چور، ڈاکو، نشہ آور اشیا کے استعمال کرنے والے اور بیچنے والے بن جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ سے ملک میں دہشت گردی کی وبا پھیلی تو یہ سارے بے روزگار نوجوان اور وہ تیسرا طبقہ جسے نچلا طبقہ یا لوئر مڈل کلاس کہا جاتا ہے اس کا سب سے پہلے شکار بنا۔ چند پیسوں کے عوض ان کی مجبوریوں اور وفاداریوں کا سودا ہونے لگا۔

ناہموار تعلیمی نظام، ناہموار معاشی نظام اور تربیت کی کمی نے نوجوانوں کے مسائل میں دن بدن اضافہ ہی کیا ہے۔ لیکن نوجوان طبقہ مسلسل نظر انداز کیے جانے سے ملک کی جڑیں ہی کھوکھلی ہوتی ہیں۔ نوجوانوں کی طاقت اور صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا کر ہی ملکی استحکام ممکن ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔

(i) کہ اس نوجوان نسل کو تباہی سے کیسے بچایا جائے اور بے روزگاری سے کیسے نپٹا جائے؟

(ii) کیا طریق کار اپنا کر نوجوان نسل کو گمراہی کے اندھیروں سے دور رکھا جائے؟

(iii) کس طریقے سے انہیں مصروف رکھ کر ان کی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے؟

(iv) نوجوان نسل کی کیسی تربیت اور پرورش کی جائے کہ وہ کارآمد انسان

اور مفید شہری بن سکیں؟

نوجوانوں کو بہتر انسان بنانے کے لیے گھروں سے تربیت کا آغاز ہوتا ہے۔ گھر پہلی درسگاہ ہے۔ بہت ضروری ہے کہ بچے کی مذہبی، اخلاقی اور ذہنی تربیت کی جائے اسے تحمل، قناعت پسندی اور مشکلات سے نپٹنے کا صرف درس دیا جائے بلکہ ہمت بھی دلائی جائے۔ تاکہ وہ دنیا کے جنگل میں جا کر گمراہ نہ ہو۔ مایوس اور ناکارہ انسان نہ بن جائے۔ اخلاق، تہذیب، اور انسانیت کو تمام تر چیزوں پہ برتر رکھنا سکھایا جائے۔ وقت کے ساتھ ساتھ والدین اور اساتذہ نوجوانوں سے مکمل ہم آہنگی میں رہیں۔ بچے کے بگڑنے کا کوئی مخصوص وقت نہیں ہوتا اس لیے والدین کو دوست اور اساتذہ کو ہمدرد اور رازدار ہونا چاہیے ورنہ بچہ باہر ہمدرد ڈھونڈے گا۔ ملکی سطح پر نوجوانوں کے لیے ووکیشنل اور ٹیکنیکل ایجوکیشن کو عام کیا جائے۔ سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر نوکریوں کا صرف اہتمام کیا جائے بلکہ دوران تعلیم نوجوان کی ایسی تربیت بھی کی جائے کہ وہ نوکریوں تک رسائی کے طریقوں سے باآسانی آگاہ ہوسکیں۔ خود اعتمادی دی جائے۔ یہ یقین دلایا جائے کہ انکی تعلیم ان کی دلچسپی اور مستقبل کے روشن ہونے کی دلیل بنے گی۔ نوجوانوں کو ٹیکنیکل ایجوکیشن کے بعد چھوٹے قرضے دیئے جائیں تاکہ وہ اپنے ہنر کو بروئے کار لا کر کام کو بہتر طریقے سے کرسکیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کوئی ایسا طریقہ کار لاگو کیا جائے کہ حقدار کو حق مل سکے جو طلباء ذہانت اور صلاحیت کے حساب سے جن مقابلے کے امتحانات کو پاس کرتے ہیں ان کو ایمانداری سے ان کی سیٹ مل سکے۔ جو ڈاکٹر انجینئر بن سکتے ہیں ان کے راستوں کو رکاوٹوں سے پاک کیا جائے۔ بہت سی خرابیاں ملکی نظام میں ہیں جن کا تدارک ممکن نہ بنایا گیا تو ہم اپنی نوجوان نسل کو تباہی کے گڑھے سے بچا نہیں پائیں گے۔

انفرادی اور اجتماعی معاشی مسائل اور ان کا حل

ڈاکٹر جاوید اقبال ندیم

تاریخ نسلِ انسانی مسائل ومصائب سے بھری پڑی ہے لیکن ہر دور میں ان مسائل کا حل بھی عالی دماغ خود ہی تلاش کرتے ہیں اور بہتر مستقبل کی طرف رواں دواں رہتے ہیں۔ موجودہ نوجوان نسل بھی کئی ایک مسائل کا شکار ہے۔ دنیا میں ہزاروں انقلاب آئے ہولناک مظالم ڈھائے گئے کئی سلطنتیں بنیں اور تباہ ہوئیں تہذیبوں کا ٹکراؤ اور فطری انقلاب رونما ہوئے مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر دور میں نوجوانوں نے ہی بہتر مستقبل کا بیڑہ اٹھایا ہم آج پھر ایسی ہی صورتِ حال سے نبرد آزما ہیں کہ نوجوان نسل علمی فکری ثقافتی اور اخلاقی بحران کا شکار ہے۔ یہ ہمارا اپنی ہی کیا دھرا ہے ایسی گھمبیر صورتِ حال درپیش ہے کہ اہلِ زمین تو اپنی جگہ، آسمان بھی حیران وششدر ہے کہ اشرف المخلوقات کے نوجوان کس ڈگر پر چل رہے ہیں۔ ہر آنکھ اشکبار ہے ہر آنکھ آنسو رو رہی ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان نوجوانوں نے کبھی اپنی حقیقت جاننے کی کوشش کی ہے بقول اقبال۔

کبھی اے نوجوان مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا

فی زمانہ نوجوان نسل کا سب سے بڑا مسئلہ جمود کا شکار ہونا ہے۔ انسانی خودی جب جمود کا شکار ہو جاتی ہے تو وہ زنگ آلود ہو جاتی ہے۔ حرکت وعمل ہی سے ترقی کی نشوونما ہوئی ہے لیکن جمود وسکون کا شکار فرد دورِ جدید کے حقائق سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ مسائل میں گھرا ہوا نوجوان اپنی حقیقت جاننے کی بجائے راہِ فرار اختیار کرتا ہے جس سے نیکی میں کمی اور برائی میں اضافہ ہوتا ہے۔ انسانی شخصیت کشمکش اور الجھاؤ میں پھنس جاتی ہے اگر شخصیت کی نگہداشت نہ کی جائے تو اس پر جمود کی حالت طاری ہو جاتی ہے جس سے ایک کے بعد دوسرا مسئلہ جنم لیتا ہے۔ علامہ اقبال کے خیال میں عمل کرنا خیر ہے اور جمود کا شکار ہونا شر ہے ان کا نقطۂ نظر ہے کہ اگر کوئی فرد نیکی کرتا ہے تو وہ یقیناً نیکی ہے اور اگر برائی کرتا ہے تو برائی ہے لیکن اگر وہ کچھ بھی نہیں کرتا تو اس پر جمود طاری ہے یہ بھی بُرائی ہے جس سے خودی کی آزادی سلب ہو جاتی ہے اس حالت میں اس کی زندگی کے سمندر کی موجوں میں اضطراب پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جس سے اسے جھنجھوڑا جائے تاکہ وہ باعمل ہو جائے۔

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

مسائلِ زیست کا جائزہ لیں تو موجودہ نوجوان نسل کو درپیش معاشی مسئلہ انتہائی تکلیف دہ ہے نوجوانوں کو بیروزگاری جیسے سنگین مسئلے نے ہر سو گھیرا ہوا ہے جس سے ہر مسئلے کی ابتداء ہوتی ہے۔ دیگر تمام مسائل کو سوچ و بچار سے کسی حد تک حل کیا جا سکتا ہے لیکن روزگار نہ ہونے کی وجہ سے انسان کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ روپیہ پیسہ کے بغیر زندگی اتنی اجیرن ہو جاتی ہے کہ نوجوان خواہ تعلیم یافتہ ہو یا غیر تعلیم یافتہ شب و روز مایوسیوں کے اندھیروں میں گھرا رہتا ہے تعلیم یافتہ نوجوان اپنی ڈگریوں کا کشکول بنا کر روزگار کی بھیک مانگتا ہے۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد معمولی ملازمت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

عالمی بنکوں معاشی تنظیموں اور حکومتی کارپردازوں کی تقریروں سے کسی کا پیٹ نہیں بھرتا۔ انفرادی اور اجتماعی معاشی مسائل حل ہونگے تو فرد اور قوم ترقی وخوشحالی کی طرف گامزن ہوں گی۔ اب من وسلویٰ کا دور نہیں۔ نوجوان محنت مزدوری کر کے رزق حلال کمانا چاہتا ہے لیکن ملکی وسائل ایسے نہیں ہیں کہ وہ روزگار حاصل کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ پھر نوجوان مایوسیوں کا شکار ہو کر منفی قوتوں کے آلہ کار بن جاتے ہیں۔ بے راہ روی میں نجات پاتے ہیں، نشہ، چوری، ڈاکہ اور دیگر خرافات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس طرح حقیقی اور حسین وجمیل زندگی سے نکل کر جرائم کی دنیا میں چلے جاتے ہیں۔

بیروزگاری نہایت پیچیدہ مسئلہ ہے حکومت اور نجی اداروں کو نوجوانوں کے اس سنگین مسئلہ کو حل کرنے کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔ اپنے ملک میں اگر نہ ہو سکے تو انفرادی قوت کو تربیت دے کر دوسرے ممالک میں رزق حلال کمانے کے لئے بھیجا جا سکتا ہے۔

نوجوانوں کو خود بھی کام کرنے کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ اگر کسی وجہ سے مناسب روزگار نہیں ملتا تو جیسی بھی ملازمت یا کام ملتا ہے شروع کر دیں خوب سے خوب تر کی تلاش جاری رکھیں خود روزگار (سلف ایمپلائمنٹ) کی بھی کوشش کرنا چاہیئے حضور پاکؐ کا وہ مشورہ بھی سامنے رکھیں کہ اگر گھر میں رسی اور کلہاڑی ہے تو جنگل سے لکڑی کاٹ کر بستی میں فروخت کریں۔ اب وہ زمانہ تو نہیں ہے لیکن اس پاک مشورے سے فائدہ تو اٹھایا جا سکتا ہے۔ سستی اور کاہلی سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ محنت اور کوشش ہی کامیابی کی دلیل ہے دنیا میں جتنے کامیاب لوگ گزرے ہیں ان کا تعلق غریب یا متوسط طبقے سے تھا لیکن صرف اور صرف شبانہ روز محنت وکاوش سے وہ اوج ثریا تک جا پہنچے اور ان کا نام آج تک مشعل راہ ہے۔ تلاش اور جستجو انسان کو زمیں سے اُٹھا کر آسماں تک لے جاتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ تن آسانی، آرام پسندی اور بے فکری کی زندگی چھوڑ کر کوشش وتگ ودو جاری رکھیں یقیناً ایک روز کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔ خدا کی مدد بھی اسی وقت کارگر ہوتی ہے کہ جب کوئی خود احساس ذمہ داری سے خون پسینہ ایک کر دے۔ منزل کی عملی تلاش کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرتی ہے لیکن کوشش تو کی جائے، مسائل تو بیان کئے جائیں اور اپنے آپ کو اس قابل تو بنایا جائے کہ نئی منزل حاصل کرنی ہے۔

ہم کو مسائل بہ کرم ملیں کوئی مسائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں
کوئی قابلت ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

موجودہ نوجوان نسل کا ایک اور اہم مسئلہ صحیح اور مؤثر تعلیم وتربیت کا فقدان ہے۔ تعلیم کاغذ کی ڈگریوں کی صورت میں موجود ہے لیکن عملی، علمی اور

فکری طور پر کچھ نظر نہیں آتا۔ اس طرح نوجوان تربیت کا بھی خاطر خواہ اثر نہیں لیتے تعلیم عمومی طور پہ دو انداز کی ہوتی ہے رسمی تعلیم اور غیر رسمی تعلیم..... رسمی تعلیم سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مخصوص نصاب کے تحت اساتذہ کی نگرانی میں حاصل کی جاتی ہے۔ جبکہ غیر رسمی تعلیم والدین، اخبارات، میگزین، ٹی وی اور دیگر ذرائع سے ملتی ہے۔ موجودہ نوجوان نسل پر غیر رسمی تعلیم کا زیادہ اثر ہوتا ہے کیونکہ سمسٹر سسٹم نے ہماری اپنی ثقافت اور تہذیب کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ نوجوان مخصوص رسمی تعلیم سے بیزار ہو کر اپنی مرضی اور اپنے انداز سے سیکھنے میں

دلچسپی لینا شروع کر دیتے ہیں۔ فیس بک اور انٹرنیٹ کی سہولت نے استاد اور کتاب سے دوری پیدا کر دی ہے حتیٰ کہ الحامی، ادبی، فکری اور اخلاقی مسائل جنم لیتے ہیں اور نوجوان نسل راہِ حقیقت سے بھٹک جاتی ہے۔ یہ بے راہ روی ایک ایسا سرطان ہے جس کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب وہ اپنی جڑیں مضبوط کر لیتا ہے۔ بدنیتی پہ مبنی تعلیم و تربیت، کوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا کے مصداق ہوتی ہے کیونکہ مانگے ہوئے سورج سے سویرا نہیں ہوتا۔ یہ طریقہ نوجوانوں میں اتنا رچ بس گیا ہے کہ وہ تحریکِ پاکستان، تاریخ پاکستان، مشاہیر و دیگر اکابرین سے شناسا نہیں ہیں۔ نوجوانوں کی اکثریت کو علامہ اقبال کے تصورِ پاکستان اور تصورِ ملتِ اسلامیہ، قائداعظم محمد علی جناح کی کاوشوں، سرسید احمد خان کا فکر و تدبر، شاہ ولی اللہ کی خدمات، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد، الطاف حسین حالی، علامہ شبلی نعمانی، چوہدری رحمت علی، مولانا ظفر علی خان، فضل حق، سردار عبدالرب نشتر، لیاقت علی خان اور محترمہ فاطمہ جناح جیسی عظیم ہستیوں کا بالکل علم نہیں ہے۔

اس سرابِ رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

ترقی پذیر ممالک میں تقریباً دو سو سے زیادہ علوم پڑھائے جاتے ہیں لیکن ہمارے یہاں صرف میڈیکل، انجینئرنگ اور کمپیوٹر کی طرف توجہ دی جاتی ہے۔ ہزار ہا جتن کے باوجود بھی جو ان شعبوں میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتا وہ دلبرداشتہ ہو کر مایوسیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں گر جاتا ہے۔ تصوریت کا شکار ہو کر ملت کے مقدر کا ستارہ بننے کے بجائے ناکارہ پرزہ بن کر رہ جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود مایوسی کی بات نہیں ہے اصلاح تو ہر ممکن ہو سکتی ہے ان کو احساسِ ذمہ داری اور احساسِ خودی سے جگایا جا سکتا ہے۔ انسان بے حد صلاحیتوں کا مالک ہے۔ اگر اس مایوس، لاپرواہ اور غافل نوجوان نسل کو اپنی قابلیتوں، صلاحیتوں اور ہنر کا اندازہ ہو جائے تو وہ صحیح

معنوں میں اپنے مقصد تخلیق کو پا سکتا ہے۔

تو روزِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا راز داں ہو جا خدا کا ترجماں ہو جا
ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہو جا

کسی قوم کے غیور نوجوان ہی مثبت تبدیلی لانے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ ان کے ذہن اور جسم تازہ دم ہوتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ نوجوانوں کی صحیح اور مثبت تربیت کر کے راہِ راست پر ڈالا جائے یہ کام حکومتی اور نجی ادارے اپنی اپنی بساط کے مطابق کر سکتے ہیں۔ نوجوانوں کی نشوونما اور بالیدگی کی عمر اگر گزر جائے تو پھر تبدیلی ممکن نہیں ہوتی اس لئے ضروری ہے کہ بروقت ان ناپختہ ذہنوں کو صحیح نہج پر ڈالا جائے۔

تعلیمی میدان میں بھی اصلاحات کی ضرورت ہے نصاب میں جدید تقاضوں کے مطابق تبدیلی کی جائے۔ ایک زمانہ میں رُوس اور امریکہ کا سائنسی میدان میں مقابلہ ہوا کرتا تھا۔ ایک نے اپنے تعلیمی اداروں کے نصاب میں جدید سائنسی نظریات کا افسانہ کیا تو ترقی میں آگے نکل گیا پھر دوسرے نے یہی عمل دہرایا تو وہ مقابلے کرتے ہوئے زمین سے چاند پر قدم رکھنے کے قابل ہو گیا۔

ہمیں اپنی ضرورت، مقاصد، ثقافت اور تہذیب کے مطابق علمی، فکری، سائنسی، ثقافتی مذہبی اور جدید علوم کے نظریات کو اپنے نصاب میں شامل کرنا چاہیے۔ سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں وہ کچھ پڑھایا جا رہا ہے جو ترقی یافتہ ممالک میں متروک ہو چکا ہے۔ اساتذہ کی تربیت کے لئے خصوصی ورکشاپس منعقد کی جائیں جس میں ان کے اپنے مضامین اور انتظامی اُمور سمجھائے اور سکھائے جائیں۔ حکومتی نظم ونسق چلانے کے لئے تو سول سروس اکیڈمی میں بہترین تربیت دی جاتی ہے اور ملازمت کے دوران میں بھی کئی ایک کورسز کرائے جاتے ہیں اس لئے اساتذہ کی تربیت پر بھی سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔ سکول اساتذہ کے لئے تو بی ایڈ اور ایم ایڈ کی تعلیم لازمی ہے لیکن کالج اور یونیورسٹی اساتذہ کے لئے ایسا کوئی پروگرام ترتیب نہیں دیا جاتا۔ جس کی جیسی مرضی ہوتی ہے اپنی دانست کے مطابق تدریسی کام سرانجام دیتے رہتے ہیں اور پھر ایک وقت آتا ہے کہ ذہنی پختگی نہ ہونے کی وجہ سے آگے نہیں بڑھتے۔ اپنی ملازمت کو تحفظ دینے کے لئے اساتذہ تنظیموں میں حصہ لینا شروع کر دیتے ہیں۔ آئے روز اجلاس اور ہڑتالوں کا سہارا لے کر حکومت کی تنظیمی اُمور پر اثر انداز ہوتے رہے ہیں جس سے تعلیم وتحقیق کا کام رُک جاتا ہے۔ طلباء وطالبات ان تمام معاملات کا بے حد اثر لیتے ہیں اور وہ بھی ان کی نقل کرتے ہوئے اپنی طلباء تنظیمیں قائم کر کے سیاسی ماحول گرماتے رہتے ہیں۔ نوجوانوں کا تعلیمی وتحقیقی کام چھوڑ کر سیاست میں حصہ لینا بھی ان کے لئے ایک بہت بڑا مسئلہ ہے جس سے انہیں ترقی کرنے میں کوئی مدد نہیں ملتی بلکہ بعض طلباء سیاسی جماعتوں کے آلہ کار بن کر اپنا مستقبل خراب کر لیتے ہیں۔

ملائشیا میں سرکاری یونیورسٹی ملایا کا ایشیا میں پہلا اور دنیا میں ۱۱۴واں نمبر ہے وہاں کوئی سیاست یا دیگر فضولیات نہیں ہیں۔ پوری توجہ تحقیق کی طرف دی جاتی ہے۔ پاکستانی کوئی یونیورسٹی ایسی نہیں جس کا نمبر ہزار حتیٰ کہ ۵۰۰ میں بھی آتا ہو۔ کسی ایک شعبہ میں کوئی سائنسی یا تعلیمی تحقیق کر کے اگر آگے نکلنے کے مواقع میسر آتے ہیں تو اتنے شادیانے بجائے جاتے ہیں کہ اصل کام بھول کر نشر واشاعت اور تشہیر کی طرف لگ جاتے ہیں۔ سنگاپور چھوٹا سا ملک ہے ۱۹۶۲ء میں ملائشیا سے الگ ہوا تھا اب ترقی کرتے کرتے دنیا بھر میں اوّل دو نمبر ممالک کی صف میں کھڑا ہے حالانکہ دوسری جنگ عظیم ۱۹۴۵ء میں سنگاپور کا زیادہ تر حصہ تباہ ہو گیا تھا۔ جاپان بھی ۱۹۴۵ء میں ایٹم بم کی تباہ کاریوں سے بالکل مر چکا تھا لیکن باشعور عقل مند اور عالی دماغ افراد نے عالمی سیاست میں حصہ لینا چھوڑ دیا تعلیمی اداروں میں نصاب تبدیل کیا اور نوجوانوں کو انڈسٹریل ایجوکیشن کی طرف راغب کیا اب جاپان دنیا بھر میں اپنی کامیاب تعلیمی پالیسی کی وجہ سے صنعتی انقلاب لے آیا اور اس کی مصنوعات پوری دنیا میں قابل اعتماد سمجھی جاتی ہیں اور ترقی کرتے کرتے خوشحالی کے

آج کے نوجوان کو درپیش مسائل تجاویز اور حل

نوجوانوں کے مسائل کے حل کے لئے ترجیحات کا تعیّن

حمزہ فیاض

لفظ نوجوان سنتے ہی ہمارے ذہین میں ہمت، جوش ولولے کی نئی سوچ، نئی لگن اور کچھ کر دکھانے کا خیال آتا ہے، نوجوان کسی بھی ملک وقوم و معاشرے کا اثاثہ، سرمایہ اور مستقبل ہوتے ہیں۔ حاضر دور کے نوجوانوں کے ہاتھ میں اگلے ۳۰۔۴۰ سال کی ملکی، معاشی، اقتصادی، سیاسی بھاگ دوڑ اور اس کا مستقبل ہوتا ہے۔ اس لئے نوجوانوں کی بہترین ذہن سازی، مستقبل کی تیاری، دوراندیشی اہم معاملات ہیں جس پر ملک وقوم کا دارومدار ہوتا ہے۔ اگر ہم وطنِ عزیز کی بات کریں تو پاکستان اس وقت بدترین معاشی صورتِ حال سے دوچار ہے، کہیں ڈالر ہاتھ نہیں آ رہا تو کہیں سرمایہ کاری کا فقدان ہے، کہیں زرمبادلہ کے ذخائر میں کمی ہے تو کہیں روپے کی قدر روز بروز کم سے کم تر ہوتی جارہی ہے۔ یہ ساری صورتِ حال آج کے نوجوان کے لئے قابلِ غور بھی ہے اور آنے والے سنگین دور کا ایک عندیہ بھی ہے۔ کیونکہ ہمارا ملک جس کیفیت سے گزر رہا ہے اس کو معمول پر لانے کے لئے بھی کئی سال اور انتھک محنت لگن اور قابلِ ستائش جذبہ حب الوطنی درکار ہے۔

اگر آج کے نوجوان کی بات کریں تو آج ہمارا نوجوان پستی، بے روزگاری، لاچاری اور بے بسی کی زندگی گزار رہا ہے۔ اس دور میں پاکستان میں لاکھوں پڑھے لکھے نوجوان موجود ہیں جن پر نظر دوڑائیں تو ہمیں ۳۰۰ پی۔ ایچ۔ ڈی (کیمسٹری) جبکہ ۴۰۰۰۰ رجسٹرڈ (انجینئرز) ملیں گے۔ پاکستان کے بہت سے حصوں میں تعلیم موجود ہی نہیں اور بہت سے حصوں میں صرف مڈل یا میٹرک تک میسر ہے۔ یہ تو بات ہوگئی پسماندہ علاقوں کی۔ اب اگر بات کی جائے بڑے شہروں کی تو ہمیں بے شمار یونیورسٹیاں، کالج، سکول نظر آئیں گے مگر تعلیم پر بزنس مافیہ کے رائج ہونے کی وجہ سے پرائیویٹ ادارے ضرورت سے کہیں زیادہ تعداد میں موجود ہیں جن میں تعلیم انتہائی مہنگی ہے جبکہ سرکاری اداروں کا یا تو معیار نہیں یا سرکاری ادارے تعداد میں کم ہیں اور تعلیمی نظام کی بات کی جائے تو ہمارے ملک میں حاصل کی گئی تعلیم کی وہ قدر و قیمت نہیں جو وقت کی ضرورت ہے۔ ہمارے ہاں اوّل دن سے بچوں کو کتابی کیڑا بنادیا جاتا ہے اور کلاس (نرسری سے پی ایچ ڈی) تک طالبعلم محض کتابوں تک محدود رہ جاتے ہیں جبکہ یورپی ممالک میں کتابوں سے کم جبکہ پریکٹیکل کام کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اگر ترقی یافتہ ممالک چین، جاپان، امریکہ، کوریا، جرمنی وغیرہ کی بات کریں تو وہاں کتابوں کی پڑھائی ۳۰۔۴۰

آج کے نوجوان کو درپیش مسائل تجاویز اور حل

نوجوانوں کے مسائل کے حل کے لئے ترجیحات کا تعیّن

حمزہ فیاض

لفظ نوجوان سنتے ہی ہمارے ذہین میں ہمت، جوش ولولے کی نئی سوچ، نئی لگن اور کچھ کر دکھانے کا خیال آتا ہے، نوجوان کسی بھی ملک وقوم و معاشرے کا اثاثہ، سرمایہ اور مستقبل ہوتے ہیں۔ حاضر دور کے نوجوانوں کے ہاتھ میں اگلے ۳۰۔۴۰ سال کی ملکی، معاشی، اقتصادی، سیاسی بھاگ دوڑ اور اس کا مستقبل ہوتا ہے۔ اس لئے نوجوانوں کی بہترین ذہن سازی، مستقبل کی تیاری، دوراندیشی اہم معاملات ہیں جس پر ملک وقوم کا دارومدار ہوتا ہے۔ اگر ہم وطنِ عزیز کی بات کریں تو پاکستان اس وقت بدترین معاشی صورتِ حال سے دوچار ہے، کہیں ڈالر ہاتھ نہیں آ رہا تو کہیں سرمایہ کاری کا فقدان ہے، کہیں زرمبادلہ کے ذخائر میں کمی ہے تو کہیں روپے کی قدر روز بروز کم سے کم تر ہوتی جارہی ہے۔ یہ ساری صورتِ حال آج کے نوجوان کے لئے قابلِ غور بھی ہے اور آنے والے سنگین دور کا ایک عندیہ بھی ہے۔ کیونکہ ہمارا ملک جس کیفیت سے گزر رہا ہے اس کو معمول پر لانے کے لئے بھی کئی سال اور انتھک محنت لگن اور قابلِ ستائش جذبہ حب الوطنی درکار ہے۔

اگر آج کے نوجوان کی بات کریں تو آج ہمارا نوجوان پستی، بے روزگاری، لاچاری اور بے بسی کی زندگی گزار رہا ہے۔ اس دور میں پاکستان میں لاکھوں پڑھے لکھے نوجوان موجود ہیں جن پر نظر دوڑائیں تو ہمیں ۳۰۰ پی۔ ایچ۔ ڈی (کیمسٹری) جبکہ ۴۰۰۰۰ رجسٹرڈ (انجینئرز) ملیں گے۔ پاکستان کے بہت سے حصوں میں تعلیم موجود ہی نہیں اور بہت سے حصوں میں صرف مڈل یا میٹرک تک میسر ہے۔ یہ تو بات ہوگئی پسماندہ علاقوں کی۔ اب اگر بات کی جائے بڑے شہروں کی تو ہمیں بے شمار یونیورسٹیاں، کالج، سکول نظر آئیں گے مگر تعلیم پر بزنس مافیہ کے رائج ہونے کی وجہ سے پرائیویٹ ادارے ضرورت سے کہیں زیادہ تعداد میں موجود ہیں جن میں تعلیم انتہائی مہنگی ہے جبکہ سرکاری اداروں کا یا تو معیار نہیں یا تو سرکاری ادارے تعداد میں کم ہیں۔ اور تعلیمی نظام کی بات کی جائے تو ہمارے ملک میں حاصل کی گئی تعلیم کی وہ قدر و قیمت نہیں جو وقت کی ضرورت ہے۔ ہمارے ہاں اوّل دن سے بچوں کو کتابی کیڑا بنا دیا جاتا ہے اور کلاس (نرسری سے پی ایچ ڈی) تک طالبعلم محض کتابوں تک محدود رہ جاتے ہیں جبکہ یورپی ممالک میں کتابوں سے کم جبکہ پریکٹیکل کام کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اگر ترقی یافتہ ممالک چین، جاپان، امریکہ، کوریا، جرمنی وغیرہ کی بات کریں تو وہاں کتابوں کی پڑھائی ۳۰۔۴۰

فیصد جبکہ پریکٹیکل کام ۶۰۔۷۰ فیصد کروایا جاتا ہے۔ جس سے طالبعلم سیکھتا ہے اور ہر چیز کو اپنے ہاتھ سے کرتا ہے۔ جبکہ پاکستان میں نرسری سے پی ایچ ڈی تک کتابیں تو پڑھادی جاتی ہیں مگر سیکھانے کا عمل ناپید ہے۔ ہمارے ہاں کیمسٹری کا طالبعلم ماسٹر لیول تک بمشکل کیمیکل کے نام ہی یاد کر پاتا ہے۔ ہمارے انجینئرز ڈگری پوری کرنے کے بعد ایک موٹر کو کھولنا تک نہیں جانتے کیونکہ پوری ڈگری میں محض کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اور ڈگری کے بعد یہ کہیں انٹرنشپ یا کسی ایسے شخص سے کام سیکھتے ہیں جس نے کبھی کتاب نہیں دیکھی ہوتی مگر پریکٹیکل کی وجہ سے وہ اس انجینئر سے کہیں زیادہ جانتا ہے اور اچھے خاصے پیسے کمار ہا ہوتا ہے مسائل کی فہرست بہت بڑی ہے مگر درج مسائل کے حل تک ہمارے نوجوان کے معاشی اور ادارے روزگاری کے مسائل حل نہیں ہو سکتے آج کے نوجوان کو دو وقت کی روٹی میسر نہیں تو وہ ملکی ترقی کے بارے میں سوچے یا گھر کی دال روٹی کے بارے میں حکومتِ وقت سے گزارش ہے کہ ملکی معاشی مسائل اور وطن عزیز پر رائج بے روزگاری کے خاتمے کے لئے ترجیحی بنیادوں پر کام کر کے جی ڈی پی کی شرح کو مزید بڑھایا جائے اور تعلیمی نظام پر خاص توجہ دیتے ہوئے ایک کمیٹی بنائی جائے جو کہ ہمارے تعلیمی نظام کے نقائص کو تلاش کر کے اس کی کمی و کوتاہی کو دور کرے۔ تعلیم کو کتابی دور سے نکال کر پریکٹیکل کیا جائے اور یونیورسٹی اور کالج کو انڈسٹری کی ضرورت کے مطابق ٹاسک دیئے جائیں تا کہ ہمارے معاشی مسائل بھی حل ہوں اور بے روزگاری کے اسی طرح ہی ہم آج کے نوجوان کو مستقبل کی تیاری کے لئے راہ ہموار کر دیں گے۔

دورِ جدید میں تکنیکی اور فنی تعلیم کی اہمیت

ڈاکٹر شاہد اشرف

انگریزوں کی آمد سے پہلے برصغیر کے ہر مدرسہ میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ مختلف فنون کے ہنر مند بھی تیار ہوتے تھے۔ حکیم، بڑھئی، معمار سمیت مختلف ہنر مند افراد معاشرے میں اپنا کردار ادا کرتے تھے۔ چونکہ بادشاہت کے زیر اہتمام تعلیمی و فنی پروگرام منعقد نہیں کرائے جاتے تھے۔ اس لیے یہ سارا تعلیمی و فنی سلسلہ لوگوں کے تعاون سے انجام پاتا تھا۔ گمان ہے کہ بسا اوقات ان مدارس کو بادشاہ کی طرف سے مالی تعاون حاصل ہوتا ہوگا۔

انگریزوں کی آمد کے بعد یہ نظام تعلیم فرسودہ ہو گیا اور جدید تقاضوں کے مطابق تعلیمی سرگرمیاں انجام پانے لگیں۔ بہت سے کالج قائم ہوئے جہاں سائنسی، معاشی، قانونی اور ادبی مضامین پڑھانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ حکومت کی ترجیحات میں انگریزی زبان کی ترویج بھی اہم اُمور میں شامل تھی۔ ملازمت کا تصور پہلی بار تعلیم سے منسلک ہوا اور نوجوانوں میں جدید تصورِ تعلیم کا رجحان زور پکڑنے لگا۔ اس سارے قصے میں سب سے زیادہ نقصان فنی و تکنیکی تعلیم سے آراستہ مدارس کا ہوا۔ مدارس بھی آہستہ آہستہ صرف دینی تعلیم تک محدود ہو گئے اور قیام پاکستان کے بعد مروجہ تعلیم میں فنی تعلیم کی حیثیت بے معنی ہو کر رہ گئی۔ یہ سلسلہ گزشتہ کئی ادوار تک یوں ہی قائم رہا۔ بعد میں حکومتی سطح پر کئی ادارے قائم کیے گئے۔ جہاں فنی تعلیم کو رواج دینے کی ممکنہ حد تک کوشش ہوئی۔ مگر محدود وسائل اور انفراسٹرکچر کی عدم موجودگی سے اہداف حاصل کرنے میں خاصی دقت ہوئی۔

گزشتہ تین چار دہائیوں سے زندگی نے ایک نئی کروٹ لی ہے۔ تیزی کے ساتھ بدلتی ہوئی دنیا میں تکنیکی و فنی تعلیم کی اہمیت از سرِ نو اجاگر ہو رہی ہے۔ حکیم، بڑھئی، معمار سے قطع نظر اب نوجوانوں میں سافٹ ویئر، ہارڈ ویئر، فون ٹیکنیشن، ٹی وی مکینک، الیکٹریشن، موٹر مکینک سمیت درجنوں کورسز میں داخلے کا رجحان دیکھنے میں آیا۔ ایک عام پڑھے لکھے آدمی کو جاب سے کہیں زیادہ کمائی ان کاموں میں دکھائی دیتی ہے۔ روز بروز فنی تعلیم کی مانگ بڑھ رہی ہے اور حکومت سے زیادہ پرائیویٹ سطح پر تعلیمی اداروں کا قیام اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ پروفیشنل ڈگری کے بعد صرف فنی ڈگری کا رجحان قائم رہے گا۔

مختلف فنون کے ماہرین کی طلب میں روز افزوں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ دیہات کا شہروں سے رابطہ قائم ہونے سے زندگی کے جدید الیکٹرونک آلات دُور دراز علاقوں میں پہنچ رہے ہیں۔ ان الیکٹرونک آلات کے ماہرین کی مقامی سطح پر موجودگی از حد ضروری ہے۔ اس مسئلے کے حل کے لئے مقامی طور پر الیکٹرونک مشینوں کے ماہر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ پاکستان میں فنی تعلیم کے اداروں کے علاوہ دکانوں پر ماہرین سے سیکھنے اور شاگردی اختیار کرنے کا سلسلہ بھی خاصا پرانا ہے۔ دکان پر ماہر استاد سے کام سیکھنے کے لئے والدین اپنے بچوں کو بھیجتے ہیں یوں تعلیمی قابلیت اور ذہنی استعداد سے قطع نظر تکنیکی و فنی علوم کے سیکھنے کا سلسلہ از خود انجام پاتا رہتا ہے۔

مروجہ نظام تعلیم کے فوائد پر سوالیہ نشان ہے اور اس سے بہتر اثرات و فوائد فنی تعلیم کے ذریعے حاصل ہو رہے ہیں۔ خاندان کے معاشی استحکام میں فنی تعلیم کا رول بھی اہم گردانا جاتا ہے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں تک رسائی عام پاکستانی کے بس کی بات نہیں ہے سو اس لیے فنی تعلیم کے ذریعے جلد کمائی سے

نوجوان گھر کے اخراجات میں حصہ ڈالنا شروع کر دیتے ہیں۔ پاکستان کے اکثر گھرانوں میں نوجوانوں کو فنی علوم سکھانے کی بنیادی وجہ یہی ہے۔ یہ نوجوان جلد ذاتی کام شروع کر دیتے ہیں اور اپنے گھر کی ذمہ داریوں کو نبھاتے نظر آتے ہیں۔ ورکشاپوں، کارخانوں اور دکانوں پر ملازمت پیشہ ہنرمندوں کی ایک بڑی تعداد بھی ملکی ترقی میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ ہمارے والدین کا اپنے بچوں کو انجینئر اور ڈاکٹر بنانے کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اس کیلئے مناسب وسائل و مواقع موجود نہیں ترقی یافتہ ممالک میں کالج سطح کے

پاکستان میں بے روزگار نوجوانوں کی روز افزوں بڑھتی تعداد کو فنی تعلیم کے ذریعے بہت کم کیا جا سکتا ہے۔ تعلیم یافتہ بے روزگار ہو سکتا ہے مگر فنی تعلیم یافتہ کبھی بے روزگار نہیں رہ سکتا۔ وہ اپنے ہنر کو بہتر انداز میں آزماتا ہے۔ کیونکہ اس کے ہنر کی معاشرے کو ضرورت ہے۔ عالمی ممالک میں جاپان اور چین سمیت کئی ملکوں میں فنی تعلیم کی اہمیت کو تسلیم کر لیا گیا ہے اور ان ممالک کی ترقی میں ایک بڑا کردار ہنر مندوں اور کاریگروں کا ہے۔ پاکستانی نوجوان ابھی جھجک اور بے ذہنی آمادگی کا شکار ہے۔ بے روزگار رہنا قبول ہے مگر کسی فن میں ماہر

سٹوڈنٹس سے مستقبل کا سوال کیا جائے تو وہ ڈاکٹر اور انجینئر کے بجائے پلمبر، سیلز مین، الیکٹریشن، ڈرائیور اور کارپینٹر بننے کا عزم ظاہر کرتے ہیں۔ انھیں اس کام کا اتنا معاوضہ مل جاتا ہے کہ انھیں زندگی دردسر نہیں محسوس ہوتی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستانی نوجوانوں میں فنی تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کیا جائے اور ان علوم کو سیکھنے والوں کو احترام دیا جائے۔ تاکہ وہ اپنے ہنر کی بدولت معاشرے میں مقام و مرتبہ حاصل کریں۔ بدقسمتی سے پاکستان میں ہنر مندوں کی قدر نہیں ہے۔ مناسب معاوضہ نہ ملنا بھی ایک بڑی وجہ ہے۔

ہونا منظور نہیں ہے۔ قومی کمیشن برائے انسانی ترقی کا ادارہ ممکنہ حد تک لوگوں خصوصاً خواتین اور بچوں کو فنی تعلیم سے آراستہ کرنے میں کوشاں ہیں۔ مگر ان کے ناکافی وسائل اور ماہرین و اساتذہ کی کمی سمیت کئی معاملات تسلی بخش نہیں ہیں۔ نجی شعبے کو آگے بڑھ کر اس ادارے کے ساتھ عملی تعاون کی کوشش سے مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

پاکستان کے کئی اداروں کی طرف سے فنی تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کو ماہانہ وظائف دیے جاتے ہیں اور وہ کارآموزی کے ذریعے تعلیم و فن

کے لئے جاتے ہیں۔ پاکستان میں تعلیمی بجٹ دو سے اڑھائی فیصد ہوتا ہے۔ اس بجٹ میں روایتی، سائنسی اور ہائیر ایجوکیشن کی ضروریات پوری کرنا ممکن نہیں ہے اور مختلف ادارے فنڈ کے فقدان کے سبب فیسوں میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ میری تجویز یہ ہے کہ آئندہ پانچ سال تک پاکستان میں کوئی روایتی تعلیمی ادارہ یعنی سکول یا کالج نہ بنایا جائے۔ پانچ سال تک صرف فنی و تکنیکی ادارے قائم کیے جائیں۔ آپ دیکھیں گے کہ محض بیس برسوں بعد

پاکستان میں بے روزگاری میں ممکنہ حد تک کمی اور جی ڈی پی کی شرح بڑھ جائے گی۔ ہم سوچنے والے لوگ محض تجویز دے سکتے ہیں۔ اختیارات رکھنے والے اگر اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنائیں تو میں انتہائی اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ ملک کی ترقی میں قابل قدر اضافہ ممکن ہے۔

پاکستان میں چائلڈ لیبر پر پابندی کے باوجود لاکھوں بچے مختلف دکانوں، ہوٹلوں اور اداروں میں کام کرتے ہیں۔

ایک تجویز یہ ہے کہ ایسے بچوں کو فنی تعلیم دی جائے اور ماہانہ وظائف وخوراک کا اہتمام کیا جائے۔

پاکستان کے بعض مدارس میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ میٹرک اور انٹر کی سطح کی تعلیم کا آغاز خوش آئند ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ مدارس کے طلباء کو برصغیر میں انگریزوں کی آمد سے پہلے کی طرز پر دوبارہ فنی تعلیم لازمی قرار دی جائے۔ ہر دینی تعلیم سے فارغ التحصیل طالب علم دین کے ساتھ ساتھ فن کا ماہر ہو تو ممکنہ حد تک فرقہ پرستی کے خاتمہ میں مدد ملے گی۔ فارغ التحصیل طالب علم کسی مدرسے یا مسجد میں ملازمت کے بجائے اپنے فن کو معاشرے کی خدمت کیلئے بروئے کار لائے گا اور پاکستان کا مستقبل انہی نوجوانوں کے ہاتھ میں ہوگا۔ جہاں معاشی سرگرمیاں آسان ہوتی ہیں وہاں فرقہ پرستی اور عدم برداشت کی سرکوبی میں مدد ملتی ہے۔ ان معاملات کا معیشت سے گہرا تعلق ہے۔ میں انتہائی اطمینان سے کہہ سکتا ہوں کہ پاکستان کا آنے والا کل محض تعلیم نہیں بلکہ فنی و تکنیکی تعلیم سے روشن ہوگا۔

حکومتی سطح پر فنی تعلیم کا فروغ

تنویر زاہد

ضرورت اس امر کی ہے کہ نوجوانوں کی صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ کرنے اور ان کو تعلیم کے وسیع مواقع فراہم کرنے کے لئے ایک جامع اور مؤثر لائحہ عمل تیار کر کے اس پر بھرپور طریقے سے عمل کیا جائے۔

جدید دور میں سائنس اور ٹیکنالوجی میں ہونے والی پیش رفتوں اور ایجادات نے تکنیکی اور فنی تعلیم کی اہمیت کو بہت نمایاں کر دیا ہے۔ تعلیم نوجوانوں کو بنیاد فراہم کرتی ہے اور اس کے بعد تکنیکی اور فنی تعلیم زیادہ اہم ہے اور نوجوانوں کو اس طرف زیادہ سے زیادہ راغب کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ ہنر مند نوجوان دوسرے لوگوں کے مقابلے میں مختلف شعبوں خاص طور پر صنعت و حرفت میں قوم اور ملک کی زیادہ بہتر طور پر خدمات سرانجام دے سکتے ہیں۔

اس وقت پاکستان کی آبادی میں اکثریت نوجوانوں کی ہے اور ملک میں ایسی صورت حال پہلے دیکھنے میں کبھی نہیں آئی اقوام متحدہ کے ترقیاتی پروگرام (یو این ڈی پی) کی رپورٹ کے مطابق پاکستان کی کل آبادی میں ایک اندازے کے مطابق کم از کم ۶۴ فیصد لوگوں کی عمریں ۳۰ سال سے کم ہیں ان اعداد و شمار کی بنیاد پر پاکستان کو دنیا کی نوجوان ترین ملکوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

موجودہ حکومت بارہا اس بات کا اظہار کر چکی ہے کہ وہ ملک کے انسانی سرمائے "Human Capital" تعلیم اور تربیت کے ذریعے ترقی دینا چاہتی ہے مگر نوجوانوں میں تکنیکی تعلیم کے فقدان کے باعث ایسا کرنا بہت مشکل نظر آتا ہے اگرچہ اس سلسلے میں Vision اور اچھی نیت بدرجہ اتم موجود ہے۔

پاکستان کی پیشہ ورانہ تعلیم اور تربیت کے سسٹم کو مختلف النوع اقسام کے چیلنجوں کا سامنا ہے۔ سرکاری طور پر ایک اندازے کے مطابق تقریباً تیس لاکھ نوجوان ہر سال جاب مارکیٹ میں داخل ہوتے ہیں مگر ملک کے ساڑھے تین ہزار سے زائد اداروں میں صرف پانچ لاکھ نوجوانوں کو سالانہ پیشہ ورانہ تربیت فراہم کرنے کی سہولتیں موجود ہیں اور باوجود ان اداروں کے تربیت یافتہ نوجوانوں کو بھی ملازمت کے حصول میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ تربیتی سسٹم موجودہ دور کے تقاضوں کو بوجوہ پورا نہیں کرتا۔

خوش قسمتی سے ملک کی موجودہ حکومت اس صورت حال سے بخوبی آگاہ ہے اور فنی تعلیم (ٹیکنیکل ایجوکیشن) کے حوالے سے ضروری اور وسیع طور پر اصلاحات کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے تاکہ سسٹم کو اجتماعی طور پر صنعتی شعبے کی ضروریات کے مطابق ڈھالا جا سکے سرکاری طور پر ملنے والی اطلاعات کے مطابق تربیتی نظام میں یہ اصلاحات یورپی یونین اور جرمنی، ہالینڈ اور ناروے کی حکومتوں کے تعاون سے لائی جا رہی ہیں اور یہ ایک خوش آئند امر ہے کیونکہ اس طرح نوجوانوں کے لئے ان کی صلاحیتوں کو مزید بہتر طور پر ملک و قوم کے وسیع تر مفادات کے لئے مثبت طور پر رسائی حاصل کی جا سکے گی۔

اطلاعات کے مطابق ان اصلاحات کے ذریعے صنعتوں اور فنی تعلیم کے مابین زیادہ بہتر روابط پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے تاکہ فنی تربیت کے اداروں سے فارغ التحصیل نوجوانوں کو اچھی اور بہتر ملازمتیں ملنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع حاصل ہو سکیں۔ ضرورت ہے کہ ان تربیتی اداروں کے اساتذہ کو مزید

نوجوانوں کو فنی تربیت دیتے ہوئے نجی شعبے کی ضروریات کو مدِ نظر رکھیں۔ اس فن میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ٹیکنیکل ایجوکیشن اور نارمل ایجوکیشن میں روابط پیدا کر کے فنی تربیت کے حامل نوجوانوں کے لئے ملازمتوں کے حصول کے احکامات کو مزید بہتر بنایا جا سکے۔

یہاں یہ ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا کہ موجودہ حکومت نے ایک کروڑ ملازمتیں فراہم کرنے کا وعدہ کر رکھا ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ تربیتی سسٹم

میں اصلاحات کی رفتار کو مزید تیز کیا جائے تا کہ یہ خوش آئند ہدف کم سے کم مدت میں حاصل ہو سکے۔

ٹیکنیکل ایجوکیشن (فنی تربیت) کو مزید بہتر اور مؤثر بنانے کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ وفاقی اور صوبائی حکومتیں تعلیم، **ہنرمندانہ تعلیم** Skill Development اور تربیت کے لئے زیادہ رقوم فراہم کریں۔ اقوام متحدہ کے تربیتی پروگرام کے فراہم کردہ اعداد و شمار کے مطابق دنیا کے ۱۹۵ ممالک میں صرف ۱۴ ملک ایسے ہیں جو تعلیم کے شعبے پر پاکستان سے کم خرچ کرتے ہیں۔ ٹیکنیکل اور ووکیشنل ٹریننگ کے مزید ادارے ملک بھر میں قائم کئے جائیں تا کہ نوجوان طلباء و طالبات ترجیحی طور پر اپنے گھروں کے قریب ترین واقع تربیتی اداروں میں ضروری مہارت اور تربیت حاصل کر سکیں۔

ٹیکنیکل ایجوکیشن کے شعبے میں خواتین کی شرکت کو بھی مزید وسعت دی جائے کیونکہ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ خواتین کو ملازمتوں کے مواقع فراہم کرنے کے ضمن میں پاکستان دوسرے ملکوں سے بہت پیچھے ہے پاکستان کی آبادی میں تقریباً نصف آبادی خواتین پر مشتمل ہے اور خواتین کی صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ کرنے اور انہیں اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کئے بغیر ملک ترقی و خوشحالی کی منزلیں اس تیز رفتاری سے نہیں طے کر سکتا ہے جتنی تیز رفتاری اس ضمن میں موجودہ حالات میں درکار ہے تا کہ پاکستان کا شمار جلد ترقی پذیر کی بجائے ترقی یافتہ ملکوں میں ہو سکے۔

ٹیکنیکل ایجوکیشن کے شعبے میں حکومت کو نجی شعبے کا زیادہ سے زیادہ تعاون اور شراکت داری حاصل کرنی چاہیے بڑی اور چھوٹی صنعتوں کو فنی تربیت کے اداروں کے ساتھ تعاون اور شراکت داری کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔

چین پاکستان اقتصادی راہداری (CPEC) کے جامع منصوبے کے تحت ملک کے مختلف حصوں میں صنعتیں قائم کی جارہی ہیں اس سلسلے میں یہ بہتر ہوگا کہ اس طرح قائم کی جانے والی صنعتوں کو تکنیکی اور فنی تعلیم کے سسٹم کے طلباء کو انٹرن شپ اور تربیت کی سہولتیں فراہم کرنے کو بھی یقینی بنانے کے لئے کہا جائے۔

ایسے اور دوسرے تمام اقدامات کے ذریعے ٹیکنیکل ویکیشنل ایجوکیشن سسٹم کو بہتر کرنے میں مدد ملے گی نوجوانوں کو زیادہ سے زیادہ ملازمتوں کے مواقع حاصل ہوں گے اور پھر یہ نوجوان پاکستان کی اقتصادی ترقی میں اپنا حصہ مزید بہتر اور بھرپور طریقے سے ڈال سکیں گے۔

اعداد و شمار کے حوالے سے سرکاری اور نجی شعبوں میں قائم ٹیکنیکل اور پیشہ وارانہ تربیت کے اداروں کی طرح ۱۰۔۲۰۰۹ء میں ۹۳۰ تھی جن میں سے ۲۳۶ ادارے خواتین کے تھے ۱۰۔۲۰۰۹ء میں ان اداروں کی کل تعداد ۳۱۹۲ ہوگئی اور خواتین کے اداروں کی تعداد بھی بڑھ کر ۲۱۸۲ ہوگئی اور تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق فنی تعلیم و تربیت کے تمام اداروں کی تعداد اس وقت ۳۸۴۲ ہے جن میں صرف ۱۱۵۲ ادارے خواتین کے لئے ہیں۔ بڑھتی ہوئی آبادی کے حوالے سے یہ تعداد کم ہے۔ مزید فنی تعلیم و تربیت کے ادارے ترجیحی بنیادوں پر قائم کئے جانے چاہئیں جن میں خواتین کے لئے اداروں کی تعداد کم از کم نصف ضرور ہوتا کہ جدید دور کے عین تقاضوں کو پورا کیا جاسکے۔

وزارتِ اطلاعات ونشریات نوجوانوں کی حوصلہ افزائی میں معاون کردار

محمد زاہد رفعت

وزارتِ اطلاعات ونشریات وفاقی حکومت کا ایک اہم ستون ہے اور یہ حکومت کے اطلاعات سے متعلق مسائل اور امور کی دیکھ بھال اچھے موثر اور بہترین تعلقات استوار کرنے اور اُن کو سنبھالنے میں بھی مدد دینے کی ذمہ دار ہے۔ ابلاغ عامہ میں اخبارات اور ٹیلی ویژن چینل شامل ہیں جن کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے یہ حکومت اور نجی شعبوں میں ابلاغ عامہ یا میڈیا سے تعلق پالیسیوں کو ترتیب دینے اور ان پر اطلاعات ونشریات قومی سطح پر وفاقی حکومت کے ترجمان کے ذمہ دارانہ اہم فرائض بھی سرانجام دیتی ہے۔

وزارتِ اطلاعات ونشریات پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کو باخبر اور برداشت والے معاشرے کی تشکیل میں بھی ہر ممکن طور پر مدد اور رہنمائی کرتی ہے اور ان کو معاشرتی ذمہ داریوں کے بارے میں وقتاً فوقتاً آگاہ کرتی رہتی ہے۔

جہاں تک موضوع کا تعلق ہے وزارتِ اطلاعات ونشریات کا براہِ راست نوجوانوں کی فلاح کے سلسلے میں زیادہ تر کردار نہیں ہے مگر اس کے متعدد ذیلی ادارے اپنے اپنے دائرہ کار میں اس ضمن میں بہت جاندار اور موثر اور بھرپور کردار ادا کرتے ہیں۔

نوجوان ہمارا مستقبل اور کل کے رہنما ہیں آنے والے وقت میں انہوں نے ملک کی بھاگ دوڑ سنبھالنی ہے اور ترقی اور خوشحالی کی منزلیں طے کرنے کے لئے بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے سنہری اصولوں اتحاد یقین اور تنظیم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے آگے کی طرف بڑھنا ہے اور قومی مسائل کو اجتماعی سوجھ بوجھ سے حل کرنا ہے اور عوام الناس کی بھلائی اور فلاح کے لئے کام کرنا ہے۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق پاکستان کی تقریباً ۲۸ فیصد آبادی کی عمریں ۱۵ سے ۲۹ سال کے درمیان ہیں اور ۲۰۴۰ء تک نوجوانوں کی آبادی بڑھتے بڑھتے کل آبادی کا ۴۰ فیصد تک پہنچ جائے گی۔ نوجوانوں کی یہ غیر معمولی بڑھوتری موقع فراہم کرتی ہے کہ اُن کی صلاحیتوں کو ملک کی ترقی اور خوشحالی کے لئے بھرپور طریقے سے استعمال کیا جائے۔

ان نوجوانوں کو بے روزگاری، غربت، تعلیمی ناہمواری، جہالت اور کوئی مصروفیت نہ ہونے کے خدشات اور خطرات کا سامنا ہے۔ حکومتی سطح پر نوجوانوں کو قومی دھارے میں لانے اور ان کی صلاحیتوں کو مثبت انداز میں ڈھالنے اور انداز فکر کو سیدھی راہوں پہ چلانے کے لئے تعلیم، صلاحیتوں کی قربت خود ملازمت کے مواقع، تربیت، روزگار، اختیارات، فلاح وبہبود کے لئے ضرورت مند اور مثبت انداز کی مصروفیت کھیلوں اور دوسری ایسی سرگرمیوں میں مصروف کرنے کے لئے مختلف اقدامات ضروری ہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ نوجوانوں کو ان تمام سہولتوں اور ترجیحات سے آگاہ کیا جائے تاکہ وہ ان سے مناسب طریقے سے اپنی صلاحیتوں کے مطابق فائدہ اٹھا سکیں۔

جہاں تک ملازمتوں کا تعلق ہے وزارتِ اطلاعات ونشریات کا براہِ راست نوجوانوں کی فلاح وبہبود کے سلسلے میں زیادہ نمایاں کردار نہیں ہے مگر مندرجہ بالا سہولتوں سے نوجوانوں کو با اثر کرنے اور ان سے مناسب طور پر استفادہ کرتے رہنے پر آمادہ کرنے کے لئے اس کے ذیلی ادارے اپنے اپنے دائرہ کار میں اس ضمن میں بہت جاندار اور موثر کردار ادا کر سکتے ہیں اور کر رہے ہیں۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے وزارتِ اطلاعات ونشریات کے ذیلی ادارے میں پاکستان براڈ کاسٹنگ کارپوریشن جو ریڈیو پاکستان کے نام سے اندرون اور بیرون ملک زیادہ مقبول اور جانا پہچانا جاتا ہے اور پاکستان ٹیلی ویژن کارپوریشن نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ پاکستان براڈ کاسٹنگ کارپوریشن (ریڈیو پاکستان) کا شمار سب سے زیادہ اہم اور الیکٹرانک میڈیا تنظیموں میں ہوتا ہے جو حکومت کی پالیسیوں اور عوام الناس کی خواہشات اور احساسات کو نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرونی دنیا

سکے۔

یہ دونوں قومی ادارے خصوصی پروگراموں کے ذریعے نوجوانوں کی فلاح کے لئے بھی بھرپور کردار ادا کر رہے ہیں اور نوجوانوں کو اُن کی ضروریات کے مطابق معلومات بہم پہنچا کر اہم فریضہ ادا کر رہے ہیں یہ ایک حقیقت ہے کہ اخبارات کے مقابلے میں ٹیلی ویژن پروگرام زیادہ دیکھے جاتے ہیں اور ریڈیو پاکستان کی نشریات شہری اور دیہی علاقوں میں یکساں اہمیت کے ساتھ سنی

تک پہنچانے کا فریضہ بخوبی انجام دے رہے ہے۔

پاکستان ٹیلی ویژن کارپوریشن بھی اپنے مختلف شعبوں کے ذریعے اپنی نشریات ملک بھر کے لوگوں تک پہنچا رہا ہے اور جدید سائنسی ٹیکنالوجی کی بروقت ریڈیو پاکستان کی طرح اس کی نشریات بھی بیرونی ملک دیکھی جاسکتی ہیں۔

یہ دونوں صمعی و بصری قومی ادارے اپنے سٹیشنوں اور سنٹروں کے ذریعے جہاں لوگوں کو ہمہ وقت باخبر رکھتے ہیں اور قومی اور علاقائی اہمیت کے مختلف پروگرام پیش کرتے ہیں وہاں ایسے پروگرام بھی پیش کئے جاتے ہیں جن سے معاشرے کے مختلف طبقوں کی افعالی اور ضروری معلومات کو یقینی بنایا جا

جاتی ہیں اور اس طرح عام لوگوں کے ساتھ ساتھ نوجوانوں کو بھی اُن کی دلچسپی کے معاملات سے باخبر رکھا جاتا ہے۔

وزارتِ اطلاعات ونشریات نہ صرف ان دونوں قومی اداروں کے ذریعے لوگوں کو عموماً اور نوجوانوں کو بالخصوص اُن کی دلچسپی کے معاملے سے باخبر رکھتی ہے بلکہ ایسے نجی شعبے میں کام کرنے والے ٹی وی چینلوں کا بھی بوقت ضرورت بھرپور تعاون حاصل ہوتا ہے تاکہ تمام لوگوں تک قومی، صوبائی اور علاقائی نوعیت اور اہمیت کی خبروں اور معاملات سے ملک بھر میں اور بیرون ملک بھی باخبر رکھا جاسکے اور نوجوانوں تک بھی اُن کی دلچسپی کے امور کو پہنچایا جاسکے۔

وزارت کے ذیلی اداروں میں پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس اور لوک ورثہ جیسے ادارے بھی شامل ہیں جو تجربہ کار فنکاروں کے ساتھ ساتھ نوجوان فنکاروں کو بھی اپنے فنون لطیفہ کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے کا بھی وافر موقع فراہم کرتے ہیں اس طرح سے ان نوجوان فنکاروں کی نہ صرف حوصلہ افزائی ہوتی ہے بلکہ اُن میں مزید کاوش کرنے کی اور آگے بڑھنے کی لگن بھی پیدا ہوتی ہے اور اس طرح اُن کی تمام تر خفیہ صلاحیتوں کو بروئے کار لانے اور مزید اُجاگر کرنے میں اُن کی بھرپور مدد ہو جاتی ہے۔

فنونِ لطیفہ سے متعلق یہ دونوں قومی ادارے پروگراموں اور ڈراموں کے ذریعے نوجوانوں سمیت تمام فنکاروں کو دنیا میں فن لوگوں کے سامنے پیش کرنے کے وافر مواقع فراہم کرتے ہیں اور اب اس کے ساتھ ساتھ قومی ورثہ و ثقافت کو اُجاگر کرنے اور محفوظ کرنے کا اہم کام بھی سرانجام دیتے ہیں۔

پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس اور لوک ورثہ کے مرکزی دفاتر اگرچہ اسلام آباد میں ہیں مگر ان کے ذیلی دفاتر ملک کے مختلف حصوں میں بھی ہیں اور اس طرح یہ دونوں ادارے وقتاً فوقتاً ملک کے مختلف حصوں میں فنونِ لطیفہ سے متعلق نمائش اور پروگرام پیش کرتے رہتے ہیں۔

نوجوانوں سے متعلق خبریں اور اس ضمن میں صدرِ مملکت، وزیرِ اعظم، قومی اور صوبائی وزراء اور دیگر رہنماؤں کے اقدامات اور پیغامات اخبارات اور ٹی وی چینلوں کے ذریعے اُن تک پہنچانے کا اہم فریضہ سرکاری خبر رساں ایجنسی ایسوسی ایٹڈ پریس آف پاکستان (اے پی پی) سرانجام دیتی ہے اور یوں نوجوان اپنے بارے میں تمام پروگراموں اور منصوبوں سے باخبر رہتے ہیں ان سے استفادہ حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور اس طرح قومی دھارے میں رہتے ہوئے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو مثبت طور پر انفرادی اور اجتماعی طور پر ملک اور قوم کے وسیع تر مفادات میں استعمال کرتے ہیں اور وزارتِ اطلاعات و نشریات قدم بہ قدم ان کی مدد و معاون ہوتی ہے۔

سروے

وزارتِ اطلاعات ونشریات کا نوجوانوں کو فعال بنانے کے لئے کردار

امتیاز احمد تارڑ

قوتوں، صلاحیتوں، حوصلوں، اُمنگوں، جفاکشی، بلند پروازی اور عزائم کا دوسرا نام ''نوجوانی'' ہے۔ کسی بھی قوم وملک کی کامیابی وناکامی، فتح و شکست، ترقی وتنزلی اور عروج وزوال میں نوجوانوں کا اہم کردار ہوتا ہے۔ انقلاب سیاسی ہو یا اقتصادی، معاشرتی سطح کا ہو یا ملکی سطح کا، سائنسی میدان ہو یا اطلاعاتی ونشریاتی میدان، غرض سبھی میدانوں میں نوجوانوں کا کردار نہایت اہم ہوتا ہے۔ روس کا انقلاب ہو یا فرانس کا، عرب بہار ہو یا مارٹن لوتھر کنگ کا برپا کردہ انقلاب، ہر انقلاب کے پیچھے نوجوان کارفرما ہوتے ہیں۔ زمانہ حال میں بھی ہر چھوٹی بڑی تنظیم یا تحریک چاہے سیاسی ہو یا مذہبی، سماجی ہو یا عسکری، ان میں نوجوان ہی پیش پیش رہے ہیں۔ مستقبل میں بھی ہر قوم وملک اور تنظیم انھی پر اپنی نگاہیں اور توجہ مرکوز کیے ہوئے ہے۔ احادیث رسولؐ میں بھی نوجوانوں کے کردار اور ان کے لیے رہنما اصول کثرت سے ملتے ہیں۔ نوجوانی کی عمر انسان کی زندگی کا قوی ترین دور ہوتا ہے۔ اس عمر میں نوجوان جو چاہے کرسکتا ہے۔ انسان اس عمر کو اگر صحیح طور سے برتنے کی کوشش کرے تو ہر قسم کی کامیابی اس کے قدم چومے گی اور اگر اس عمر میں وہ کوتاہی اور لاپروائی برتے گا تو عمر بھر اسے خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

ہمارے وزیراعظم عمران خان نوجوان نسل کو ملک کی سالمیت اور نشوونما کے لئے بہت اہم سمجھتے ہیں۔ اس بات کو مدِنظر رکھتے ہوئے وزارتِ اطلاعات ونشریات کے ادارے ڈائریکٹوریٹ آف الیکٹرانک میڈیا اینڈ پبلی کیشنز کے موقر جریدے ''پاک جمہوریت'' کے خصوصی شمارے ''نوجوان نمبر'' کے لئے ادارے کے سٹاف اور افسران نے ایک سروے کا اہتمام کیا۔ اس کا عنوان کچھ یوں تھا: ''وزارتِ اطلاعات ونشریات کا نوجوانوں کو فعال بنانے کے لئے کردار''۔ اس مقصد کے لئے جامعات کے طلباء اور اساتذہ کرام سے رابطہ کیا گیا۔ سوالنامہ مرتب کرکے اُن کی آراء کو جانچا گیا۔

تو یہ بات سامنے آئی ہے کہ ۷۰ سالہ تاریخ پاکستان میں نوجوانوں پر کسی قسم کی توجہ نہیں دی گئی۔ ان کے مسائل کو سمجھا گیا نہ ہی انھیں حل کرنے کی کوشش کی گئی۔ سروے میں بھی نوجوان نسل نے اس بات کا شکوہ کیا کہ آج تک ان کے مسائل کسی بھی حکومت نے معلوم کرنے کی بھی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔ بدقسمتی سے ماضی کی کئی منتخب و غیر منتخب حکومتوں نے نوجوانوں کی وزارت تک قائم کرنے کا بھی تکلف گوارا نہیں کیا۔ جب کوئی ادارہ نوجوانوں کو گائیڈ کرنے والا ہی نہیں تو پھر اس نسل کے مسائل کیسے حل ہوں گے؟

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی نوجوان مسائل کا شکار ہیں، جس کی بڑی وجہ تعلیمی مواقع کی کمی، بیروزگاری اور وسائل کی کمی ہے۔ آج کا نوجوان بے شمار مسائل اور اُلجھنوں میں گھرا ہوا ہے۔ ایک طرف غیر متوازن نظامِ تعلیم کے مسائل کا سامنا کررہا ہے تو دوسری طرف اقتصادی مسائل سے دوچار ہے۔ وقت کا تقاضا یہی ہے کہ نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقے میں اعتماد واپس لایا جائے جس کا رشتہ اس طبقے کے ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے۔ ایک اور مسئلہ جس کی وجہ سے نوجوان مختلف مسائل اور مشکلات میں گھرا ہوا ہے وہ ناقص تعلیم وتربیت ہے۔ جو جوان بھی تعلیم وتربیت سے محروم رہ جائے گا، لازمی طور سے مسائل اور اُلجھنوں کا شکار ہوگا۔ ایک نوجوان کی اس سے بڑی بدقسمتی اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ تعلیم وتربیت سے محروم رہے۔ ایسے بھٹکتے ہوئے

نوجوان ہی راہِ راست سے الگ ہو کر تخریب کاروں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔

تکنیکی تعلیم کے فروغ کے لیے اہم اقدامات

تکنیکی تعلیم کس قدر ضروری ہوتی ہے؟ آپ اس کا اندازہ جاپان اور چینی قوم کو دیکھ کر لگا سکتے ہیں۔ ہماری نوجوان نسل کا شکوہ بجا اور قرین حقیقت ہے، کیونکہ پیشہ ورانہ تعلیم میں سرمایہ کاری پاکستان کو معاشی، سماجی اور دوسرے مسائل سے نکال کر ترقی کی سنہری شاہراہ پر گامزن کر سکتی ہے۔ ہماری تعلیم کو انڈسٹری کی ضروریات سے ہم آہنگ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ ہمیں اپنی

تعلیم کے ذریعے پیشہ وارانہ مہارت یافتہ افرادی قوت کو پروان چڑھانا چاہیے جو ہماری صنعتوں اور کارخانوں کو بہتر طریقے سے چلا سکے۔ لیکن بدقسمتی سے پاکستان میں فنی تعلیم کی شرح صرف چار سے چھ فیصد جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں یہ شرح ۶۶ فیصد تک پہنچ چکی ہے۔ ہم شاید نہیں جانتے کہ جن ممالک نے فنی تعلیم کو اپنی عمومی تعلیم کا حصہ بنا کر اس پر توجہ دی وہاں معاشی ترقی کی رفتار زیادہ ہے۔

ہمارے ہاں بھی اربابِ اقتدار و اختیار اس امر کا اعتراف تو کرتے ہیں کہ پاکستان کا مستقبل پیشہ وارانہ تعلیم سے جڑا ہوا ہے اور نوجوان نسل کو فنی علوم سے آراستہ کر کے نہ صرف بے روزگاری کے مسئلے پر قابو پایا جا سکتا ہے بلکہ ملک کو ترقی و خوشحالی کی راہ پر بھی گامزن کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے فروغ کیلئے قابلِ ذکر پیش رفت نہیں کر پائے۔ دورِ حاضر میں دنیا کی بیشتر قوموں نے پیشہ وارانہ تعلیم کو اپنی اولین ترجیح بنا کر ترقی کی ہے۔ مگر افسوس پاکستان کے منصوبہ سازوں کی اولین ترجیح کبھی بھی تعلیم نہیں رہی۔ اس اعلیٰ مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہمیں اپنے پالیسی میکرز میں احساسِ منصوبہ بندی پیدا کرنا ہوگا۔ ہماری آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے جس میں ۶۳ فیصد تعداد نوجوانوں کی ہے جو کسی بھی ملک کے لیے خوش آئند امر ہے لیکن تعلیم اور ہنر مندی سے محروم یہ نوجوان ملکی معیشت کا سہارا بننے کے بجائے بڑھتی ہوئی بے روزگاری کی وجہ سے بوجھ ثابت ہو رہے ہیں۔ دنیا میں انہی قوموں نے تیزی سے ترقی کی منازل طے کی ہیں جنہوں نے اپنی نوجوان نسل کو عہدِ حاضر کی ضروریات سے ہم آہنگ کرتے ہوئے جدید علوم سے آراستہ کیا۔ جس طرح میڈیکل تعلیم ہسپتالوں کے ساتھ منسلک ہے اور کارآمد ہے اسی طرح پیشہ وارانہ اور تکنیکی تعلیم کو بھی صنعتوں اور کارخانوں کے ساتھ منسلک کر دیا جائے تاکہ ہمارا نظامِ تعلیم زیادہ سے زیادہ جدید اور کارآمد بن جائے۔

اس وقت وطنِ عزیز میں ۱۵ سے ۲۴ سال کی عمر کے ۲ کروڑ ۹۰ لاکھ نوجوان ہیں۔ ان کا ۱۳ شاریہ ۳ فیصد یعنی ۲۸ لاکھ ۹۶ ہزار نوجوان بیروزگار

ہیں۔ ۲۸ لاکھ ۹۶ ہزار نوجوانوں کی یہ بیروزگاری ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ یہ چیلنج دراصل ہماری ماضی کی حکومتوں کی نسل نو کے معاملات و مسائل سے عدم دلچسپی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ حکومتیں اس کے باوجود شکوہ کناں ہیں کہ نوجوان بے راہ روی کا شکار کیوں ہو جاتے ہیں؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ بیروزگاری عمومی طور پر پوری دنیا میں ایک وبائی لہر کی شکل میں سر اٹھائے ہوئے ہے۔ پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک کا تو ذکر ہی کیا، یہاں تو عالم یہ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک بھی اس مسئلہ سے دوچار ہیں، اٹلی جیسے ملک میں بھی ۲۰ سے ۲۴ سال کی عمر کے ۳۰ فیصد نوجوان بیروزگار ہیں۔ اس تقابلی موازنہ کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ پاکستان میں بیروزگاری کی حقیقی وجوہات موجود ہیں۔

یہاں اقربا پروری، ناقص منصوبہ بندی اور تعلیم و ٹیکنالوجی کے شعبوں سے حکومتوں کی مجرمانہ غفلت اس کا بڑا سبب بنی ہیں۔ اس وقت دنیا میں جرمنی ۷۸ فیصد، کوریا، ہنگری اور فن لینڈ سو فیصد فنی تعلیم کو لازمی قرار دے چکے ہیں۔ چین اور جاپان بھی فنی تعلیم کو لازم قرار دے کر اقوام عالم میں نمایاں مقام حاصل کر چکے ہیں۔ اس کے برعکس تیس فیصد شرح خواندگی کے ملک میں صرف چھ فیصد نوجوان فنی تعلیم پر دسترس رکھتے ہیں۔ جبکہ ہمارے ہاں پیشہ وارانہ تعلیم کے لیے فنڈز نہ ہونے کے برابر ہیں۔ جب تک ہم ہنرمند افراد کو عزت نفس نہیں دیں گے ہماری صنعتیں اور کارخانے ترقی نہیں کر سکتے۔

پاکستان کی بڑی آبادی نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ انہیں جدید علوم، انفارمیشن ٹیکنالوجی اور مارکیٹ کی ضروریات کے مطابق مختلف فنون و شعبہ جات میں تربیت دے کر تیز رفتار ترقی اور خوشحالی کا خواب شرمندہ تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ دراصل فنی تربیت انسان کے اندر چھپی ہوئی صلاحیتیں بروئے کار لاتے ہوئے اسے باعزت روزگار کمانے کے قابل بناتی ہے تاکہ وہ معاشی طور پر خوشحال زندگی بسر کر سکے۔ اس شعبہ پر توجہ دینے سے نہ صرف روزگار کے مواقع بڑھ سکتے ہیں بلکہ اس کے فروغ سے ہم بیش قیمت زرمبادلہ بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ یونیورسٹی سے فارغ ہونے والے طلبا بھی ڈگری ہونے کے باوجود عملی تربیت اور ہنر نہ ہونے کی وجہ سے بے روزگاری کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ اگر ان کے نصاب میں کوئی ایک بھی فنی کورس شامل ہوتا تو انہیں مایوسی کا سامنا ہرگز نہ کرنا پڑتا۔

مطالعہ بینی کے شوق کو وسعت دینے کی ضرورت

سروے کا سب سے اہم سوال مطالعہ بینی ہے۔ جو ہمارے ہاں بالکل مفقود ہے، پہلے بھی نوجوانوں میں مطالعہ کا شوق نہیں تھا لیکن سوشل میڈیا نے آگ رہی سہی کسر بھی نکال دی ہے۔ جبکہ حقیقت میں زندہ قومیں ہمیشہ کتابوں کو بڑی قدر و منزلت دیتی ہیں، جو قومیں کتاب سے رشتہ توڑ لیں تو وہ دنیا میں بہت پیچھے رہ جاتی ہیں۔ بلاشبہ صرف وہی اقوام زندگی کی معراج تک پہنچتی

ہیں، جن کا تعلق کتاب اور علم سے مضبوط رہا ہو۔ قوموں کی زندگی کا عمل کتاب سے جڑا ہوا ہے۔ جن اقوام میں کتاب کی تخلیق، اشاعت اور مطالعے کا عمل رُک جاتا ہے، وہاں زندگی کا عمل بھی رُک جاتا ہے۔ کتاب شخصیت سازی کا ایک کارگر ذریعہ ہی نہیں، بلکہ زندہ قوموں کے عروج و کمال میں اس کی ہم سفر بھی ہوتی ہے۔ فرانس کے انقلابی دانشور والٹیر نے کہا تھا ''تاریخ انسانی میں چند غیر مہذب وحشی قوموں کو چھوڑ کر کتابوں ہی نے لوگوں پر حکومت کی ہے''۔ فرق صرف یہ ہے کہ جس قوم کی قیادت اپنے عوام کو کتابیں پڑھنا اور ان سے محبت کرنا سکھا دیتی ہے، وہ دوسروں سے آگے نکل جاتی ہے۔ ''بدقسمتی سے پاکستانی معاشرہ گزشتہ کچھ دہائیوں سے کتب بینی سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ تجزیہ کار پاکستان میں کتب بینی کے فروغ نہ پانے کی وجوہات میں کم شرح خواندگی، صارفین کی کم قوت خرید، حصول معلومات کے لئے موبائل، انٹرنیٹ اور الیکٹرانک میڈیا کا بڑھتا ہوا استعمال، ڈیجیٹل انفارمیشن کی ترویج، کم لائبریریوں کو گردانتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان میں غیر معیاری طرز زندگی، اچھی کتابوں کا کم ہونا ہوا رخان، حکومتی عدم سرپرستی اور لائبریریوں کے لئے مناسب وسائل کی عدم فراہمی کے علاوہ خاندان اور تعلیمی اداروں کی طرف سے کتب بینی کے فروغ کی کوششوں کا نہ ہونا بھی شامل ہیں۔ ملٹن کا کہنا تھا ''ایک اچھی کتاب عظیم روح کے قیمتی خون سے تحریر ہوتی ہیں''۔ ایک اندازے کے مطابق پنجاب میں مختلف جگہوں پر موجود تقریباً ۱۸۲ پبلک لائبریریاں بند ہیں۔ جو لائبریریاں موجود ہیں ان میں بھی جدید ٹیکنالوجی کا فقدان ہے۔ ملک بھر میں لائبریریوں کیلئے کوئی جدید سافٹ ویئر موجود نہیں جن کی مدد سے عالمی جرنلز اور جدید تحقیق کو پڑھ سکیں۔ لائبریریوں کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ نہ کیا جائے تو وہ لائبریریاں محض گودام بن جاتی ہیں۔ قانون کے مطابق لوکل حکومتوں پر لازم ہے بجٹ کا ایک فیصد لائبریری پر خرچ کریں مگر اس پر آج تک عملدرآمد نہیں ہوا۔ دیوار مہربانی کی طرح اگر ہر پبلک جگہ پر کتابوں کی ایک الماری رکھ دی جائے اور نوٹس لگا دیا جائے کہ اپنے گھر کی زائد کتابیں ردّی میں نہ بیچیں بلکہ اس لائبریری کیلئے تحفہ دیں۔ یقین جانئے' کچھ ہی عرصہ میں ہر گلی، محلّہ، بازار اور سٹیشن چھوٹی چھوٹی لائبریریوں سے سج جائے گا۔ اور نوجوان نسل میں مطالعے کی روایت دوبارہ لوٹ آئے گی۔

نوجوانوں کو درپیش سرفہرست مسائل

موجودہ دور میں نوجوانوں کو جو مسائل درپیش ہیں، ان میں عدم برداشت سب سے اہم ہے، دراصل آج کا نوجوان پژمردگی، پریشانی، ڈیپریشن، نفسیاتی اُلجھنوں اور ذہنی دباؤ کا شکار ہے۔ شاعروں نے جوانی کے ایام کو زندگی کے سنہری دنوں سے تشبیہ دی ہے۔ واقعی زندگی کے اس دور میں عزم جواں ہوتا ہے، جذبہ زندہ ہوتا ہے، جھپٹنے، پلٹنے، اور پلٹ کر جھپٹنے کے لیے خون ہر دم گرم رہتا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ اگر زندگی کے اس حسین دور میں اُمنگیں پوری نہ ہوں، آرزوئیں پایہ تکمیل کو نہ پہنچیں، ناکامیاں گھیراؤ کر لیں تو پھر زندگی کا یہ حسین وقت بدترین بھی بن سکتا ہے۔ نوجوانوں میں پژمردگی، پریشانی، ڈیپریشن، نفسیاتی اُلجھنوں اور ذہنی مسائل کی مختلف وجوہات درج ذیل ہیں: ۱۔ وسائل کی کمی، ۲۔ مناسب مواقع کا نہ ملنا، ۳۔ مالی پریشانیاں، ۴۔ امتحان میں ناکامی، ۵۔ مناسب توجہ کا نہ ملنا، ۶۔ ماں باپ میں آپس کی لڑائی، ۷۔ بیروزگاری۔ 8۔ تخلیقی صلاحیتوں کو اُجالا بخشنے کا حقیقی فورم کا نہ ہونا ہے۔ اس سلسلے میں ڈائریکٹوریٹ آف الیکٹرانک میڈیا اینڈ پبلی کیشنز بھی اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔

نوجوانوں، والدین اور اساتذہ میں فاصلے

دورِ حاضر کا ایک بڑا چیلنج نوجوانوں، والدین اور اساتذہ کے درمیان بڑھتی ہوئی دوریاں ہیں، گھر میں والدین اور اولاد کے درمیان، اسکولوں میں اساتذہ اور طلباء کے درمیان، معاشرہ میں بڑوں اور چھوٹوں کے درمیان، ان دوریوں کو قربتوں میں بدلنا ضروری ہے، ورنہ ہمارے خواب چکنا چور ہو جائیں گے، اور رفتار کا فرق سمتوں اور منزلوں کا فرق بن جائے گا، اور یہ وہ نقصان ہوگا جس کی ذمہ داری سب پر عائد ہوگی۔ قرآن مجید میں بڑوں کی چھوٹوں سے دوستی اور قربت کے بڑے زبردست مناظر ہیں۔ ہر منظر میں ان

بڑوں کے لئے بڑا سبق ہے جو اپنے چھوٹوں سے دور ہو گئے، اتنا دور کہ ان کو اس کی خبر نہیں ہے کہ ان کے چھوٹے کس سمت میں سفر کر رہے ہیں، کن مشاغل میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور کیا خواب دیکھتے ہیں۔ اگر ہم رسول اللہؐ کے جد امجد کی سیرت کو دیکھیں تو ایک انوکھا منظر نظر آئے گا، خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت ایک بوڑھا باپ حضرت ابراہیمؑ اور ایک جوان بیٹا حضرت اسماعیلؑ مل کر دیواریں اٹھا رہے ہیں۔ دونوں میں فکری اور قلبی ہم آہنگی ہے۔

ایک منظر میں ماں اپنے بیٹے حضرت موسیٰؑ کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیتی ہے، اور پھر پورا مشن اپنی بیٹی کے حوالے کر دیتی ہے، جو بہترین طریقے سے اس مشن کو انجام دیتی ہے۔ ماں بیٹی پر اعتماد کرتی ہے، اور بیٹی اس اعتماد کی لاج رکھتے ہوئے ماں کی توقعات پر پوری اترتی ہے۔

دوسرے منظر میں انصاف کی عدالت قائم ہے اور عدل و انصاف قائم کرنے کا سچا جذبہ لے کر ایک ادھیڑ عمر باپ حضرت داؤدؑ اور ایک جوان بیٹا حضرت سلیمانؑ سر جوڑے بیٹھے ہیں۔ صحیح رائے تک بیٹا پہنچ جاتا ہے، اور باپ اس کی بات کو خوش دلی سے قبول کر لیتا ہے، کیونکہ دونوں کا آپس میں مقابلہ نہیں تھا، بلکہ مل کر حق تک رسائی کے لئے کوشش کر رہے تھے۔ تیسرے منظر میں بیٹا حضرت یوسفؑ خواب دیکھتا ہے اور سب سے پہلے اپنے والد کو بتاتا ہے۔ چوتھے منظر میں والد حضرت ابراہیمؑ خواب دیکھتا ہے کہ وہ اپنے بیٹے اسماعیل کو ذبح کر رہا ہے، باپ اپنا خواب بلا جھجک اپنے بیٹے کو سناتا ہے اور بیٹا اس خواب کی تعبیر کی خاطر اپنی گردن پیش کر دیتا ہے۔ آج کے دور میں بھی ایسے ہی رابطے اور اعتماد کی ضرورت ہے تاکہ بڑے چھوٹوں اور چھوٹے بڑوں کے ساتھ بلا جھجک بات کر سکیں لیکن ہمارے ہاں کتنے ہی کروڑ پتی لوگوں کے اپنے جوان بچوں کے بگڑنے کے واقعات سناتے ہوئے اشکبار دیکھا، اکثر بڑوں کو گلہ کرتے دیکھا گیا کہ چھوٹے ان کی پسند کا خیال نہیں کرتے، وہ رشتہ بھی اپنی پسند کا، پیشہ بھی اپنی پسند کا اور لائف اسٹائل بھی اپنی پسند کا چاہتے ہیں۔ یہ فاصلے نہ صرف خاندانی زندگی کے لیے مشکلات پیدا کرتے ہیں بلکہ دین کی تعلیم میں بھی رکاوٹ ہیں اور ایسے میں ایک اسلامی معاشرے کے قیام کا خیال محض خیال ہی رہ جائے گا۔ یہ فاصلے ہم سیمینارز کا انعقاد کر کے کم کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں وزارت اطلاعات **ونشریات** کا کردار انتہائی اہم ہے۔

بجا طور پر نوجوان نسل کے اندر جذبے اور اظہار کی کمی نہیں اور اگر ان کی صلاحیتوں کو فروغ دینے کے لئے مناسب ماحول پیدا کیا جائے اور اس کے لئے اقدامات کئے جائیں تو کوئی بعید نہیں کہ پاکستانی ایک ترقی یافتہ قوموں میں سے ایک قوم بن کر منظر عام پر آ سکتی ہے۔

تحاریر لکھوانے کے لئے موضوعات

۱۔ تعلیمی عمل اور کردار سازی۔

۲۔ نوجوانوں کا معاشرے کی ترقی میں کردار۔

۳۔ طلباء اور اساتذہ پر عائد ذمہ داریاں۔

۴۔ اخبارات اور ٹی وی، معلومات کا ذریعہ۔

۵۔ سوشل میڈیا اور نوجوانوں کا اخلاقی کردار۔

۶۔ آج کے نوجوان کو درپیش مسائل، تجاویز، حل۔

۷۔ تکنیکی اور فنی تعلیم کی ترویج۔

۸۔ وزارتِ اطلاعات کا نوجوانوں کی فلاح کے لئے کردار۔

وزارت اطلاعات ونشریات، ثقافت وادبی ورثہ کا نوجوانوں کو فعال بنانے کے لئے کردار

سوال نمبر۱۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں نوجوانوں کو درپیش مسائل میں سرِ فہرست کوئی سے تین مسائل اور اُن کے تدارک کے لئے تجاویز۔

سوال نمبر۲۔ وزارت اطلاعات ونشریات نوجوانوں، والدین اور اساتذہ کے مابین فاصلوں کو کم کرنے اور ذہنی ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے کیا کردار ادا کر سکتی ہے؟

سوال نمبر۳۔ تکنیکی اور فنی تعلیم اور نوجوانوں کے لئے بیروزگاری ختم کرنے کے لئے اقدامات وزارت اطلاعات ونشریات کا اِس ضمن میں کردار؟

سوال نمبر۴۔ یہ وزارت اساتذہ کو تعلیمی اور پیشہ وارانہ فرائض کی انجام دہی میں مزید فعال بنانے کے لئے کیا خاطر خواہ اقدامات اُٹھا سکتی ہے؟

سوال نمبر۵۔فنونِ لطیفہ،کھیل اور ثقافت کے فروغ میں نوجوانوں کی بھرپور شمولیت کو کیسے ممکن بنایا جاسکتا ہے؟

سوال نمبر۶۔فاصلاتی تعلیم کے فروغ کے لئے وزارت اطلاعات ونشریات مختلف سیمینار اور ورکشاپس کے انعقاد کے لئے کیا کردار ادا کرسکتی ہے؟

سوال نمبر۷: اخبارات کے ذریعے معلومات عوام الناس تک کس طرح پہنچائی جاسکتی ہے۔زیادہ سے زیادہ لوگوں تک اُن کا پیغام کس طرح پہنچایا جاسکتا ہے؟

سوال نمبر۸۔ڈائریکٹوریٹ آف الیکٹرانک میڈیا اینڈ پبلی کیشنز کا ادارہ اپنے فورم کے ذریعے طلباء سے ادبی وتحقیقی مضامین اپنے شماروں میں اشاعت کرانے کے لئے کیا معاونت حاصل کرسکتا ہے؟

سوال نمبر۹: کیا آپ اس رائے سے متفق ہیں کہ اِس ادارے کی وساطت سے مخصوص اعزازی کاپیاں منتخب اداروں، لائبریریوں کو بھیجی جائیں اور مختلف معلوماتی وتعلیمی مقابلے منعقد کروا کر آج کے طلباء میں مطالعہ بینی کے شوق کو وسعت دی جائے؟

سوال نمبر	رائے	تناسب
سوال نمبر۱	بیروزگاری	78فیصد
	تعلیمی مسائل	62فیصد
	مالی ومعاشی مسائل	50فیصد
سوال نمبر۲	ورکشاپ وسیمینار، مکالمہ	50فیصد
	طالب علم کی رہنمائی کرے	30فیصد
	سوشل میڈیا کا استعمال	20فیصد
سوال نمبر۳	گھریلو دستکاری کو فروغ	20فیصد
	تعلیم کے موقع کو آسان اور عام کرنا	50فیصد
	وظائف مقرر کیے جائیں وکاروباری مواقع	30فیصد
سوال نمبر۴	سپیشل کورسز و پریکٹیکل	40فیصد
	اخلاقی سطح پر تربیت لے	20فیصد
	جدید تعلیم کو فروغ دے	10فیصد
	سیمینار کا اہتمام سہولیات مہیا کی جائے	10فیصد
	سہولیات مہیا کی جائے	20فیصد
سوال نمبر۵	اہمیت کی آگاہی دی جائے	50فیصد
	سرگرمیوں میں حصہ وشمولیت	40فیصد
	کمرشلائز سطح پر فروغ	10فیصد
سوال نمبر۶	ورکشاپ وسیمینار	90فیصد
	تعلیمی اخراجات میں کمی	10فیصد
سوال نمبر۷	عوام کی ذہنی سطح سے ہم آہنگی	30فیصد
	رسائی عام ہو	30فیصد
	قیمت میں کمی	20فیصد
	انٹرنیٹ سورس استعمال ہو	20فیصد
کیا آپ مندرجہ ذیل تجاویز سے متفق ہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟	بشرطیکہ عمل	20فیصد
	متفق ہے	90فیصد
سوال نمبر۸	بالکل کرسکتا ہے اس سے اعتبار اور اعتماد بڑھے گا	100فیصد
سوال نمبر۹	بالکل نوجوانوں کے مسائل حل ہوں گے، شوق بڑھے گا	100فیصد

ہماری مطبوعات

نمبر شمار	مطبوعات	زبان	قیمت پاکستانی روپے	قیمت امریکی ڈالر
1	قائداعظم محمد علی جناح خطبات اور ارشادات بطور گورنر جنرل 1947ء تا 1948ء (مجلد)	انگریزی	150/-	$-05
2	قائداعظم محمد علی جناح خطبات اور ارشادات بطور گورنر جنرل 1947ء تا 1948ء (پیپر بیک)	انگریزی	150/-	$-05
3	قائداعظم محمد علی جناح خطبات اور ارشادات بطور گورنر جنرل 1947ء تا 1948ء (پیپر بیک)	اردو	350/-	$-17
4	قائداعظم محمد علی جناح (تصویری البم) 1876ء تا 1948ء (مجلد)	انگریزی	425/-	$-17
5	قائداعظم محمد علی جناح (تصویری البم) 1876ء تا 1948ء (پیپر بیک)	انگریزی	350/-	$-17
6	قائداعظم کے سنہری اقوال	انگریزی	100/-	$-04
7	اقوال قائد (پیپر بیک)	انگریزی	50/-	$-03
8	پاکستان کے بانی محمد علی جناح	انگریزی	400/-	$-15
9	جناح اور ان کا دور (از عزیز بیگ)	انگریزی	250/-	$-10
10	مادر ملت سرمایہ ملت	اردو	250/-	$-10
11	مادر ملت تصویری البم	اردو	250/-	$-10
12	پاکستان ہینڈی کرافٹس	انگریزی	200/-	$-04
13	پاکستان کرونولوجی 1947ء تا 2006ء (چھ جلدیں)	انگریزی	450/-	$-17
14	پاکستان کرونولوجی 1947ء تا 2006ء (پیپر بیک) (چھ جلدیں)	انگریزی	400/-	$-15
15	پاکستان دستکاریاں	انگریزی	250/-	
16	پاکستان، بنیادی حقائق	انگریزی	50/-	$-02
17	ابھرتا پاکستان ایک طائرانہ نظر	انگریزی	2000/-	$-120
18	پاکستان۔ فرام ماؤنٹینز ٹو سی (محمد امین۔ ڈلکن ویلٹس۔ گراہم بینکاک)	انگریزی	1000/-	$-20
19	پاکستان چینی مصوروں کی نظر میں (ین ینگ اینڈ ٹو ہوا)	انگریزی، عربی فرانسیسی، چینی	500/-	$-20
20	انڈس فیسز اینڈ ہولڈز	انگریزی	2500/-	$-125
21	چھ شہروں کے کتابچے	انگریزی	60/-	
22	دلفریب جھیلیں	انگریزی	200/-	$-12
23	ٹرک آرٹ	انگریزی	200/-	$-08
24	گندھارا آرٹ ان پاکستان (از ڈاکٹر اے ایچ دانی)	انگریزی	100/-	$-04
25	مسلم آرٹ اینڈ ہیریٹج آف پاکستان (از ڈاکٹر اے ایچ دانی)	انگریزی	100/-	$-04
26	اسلامی معاشرتی اقدار	اردو	15/-	$-01
27	وحدت افکار (علاقائی شاعری سے انتخاب)	اردو	100/-	$-04

ہماری مطبوعات

نمبر شمار	مطبوعات	زبان	قیمت پاکستانی روپے	قیمت امریکی ڈالر
28	رحمت کا فرشتہ (عبدالستار ایدھی)	انگریزی	615/-	$-50
29	ماہنو غالب (سپیشل ایڈیشن)	اردو	500/-	$-60
30	ماہنو اقبال (سپیشل ایڈیشن)	اردو	350/-	$-17
31	ماہنو قائداعظم (سپیشل ایڈیشن)	اردو	500/-	$-60
32	ماہنو فیاض (سپیشل ایڈیشن)	اردو	500/-	$-60
33	ماہنو احمد فراز (سپیشل ایڈیشن)	اردو	500/-	$-60
34	ماہنو احمد ندیم قاسمی (سپیشل ایڈیشن)	اردو	400/-	$-60
35	ماہنو جالب نمبر (سپیشل ایڈیشن)	اردو	500/-	$-60
36	ماہنو جوش (سپیشل ایڈیشن)	اردو	400/-	$-60
37	ماہنو انتخاب والیم-1 (سپیشل ایڈیشن)	اردو	400/-	$-60
38	ماہنو انتخاب 2018 (سپیشل ایڈیشن)	اردو	400/-	$-60
39	ماہنو سرسید احمد خان (سپیشل ایڈیشن)	اردو	400/-	$-15
40	ماہنو منو بھائی (سپیشل ایڈیشن)	اردو	400/-	$-60
41	ماہنو (ماہنامہ)	اردو	100/- فی شمارہ 1000/- سالانہ	$-60
42	پاک جمہوریت ارفع کریم نمبر	اردو	10/-	
43	پاک جمہوریت (ماہنامہ)	اردو	100/- فی شمارہ 1000/- سالانہ	$-60
44	پاکستان چکور ریل	انگریزی	200/-	$-120

رابطہ برائے خریداری

منیجر: ڈائریکٹوریٹ جنرل آف الیکٹرانک میڈیا پبلی کیشنز، بی۔ایف بلڈنگ زیرو پوائنٹ، اسلام آباد، پاکستان۔ فون: 051-9252182 فیکس: 051-9252176

یوتھ نمبر

ڈائریکٹوریٹ آف الیکٹرانک میڈیا اینڈ پبلیکیشنز، اسلام آباد

ریجنل آفس: 291۔اے، ایم اے جوہر ٹاؤن لاہور۔